کتاب دریچہ

(ادبی کالموں کا انتخاب)

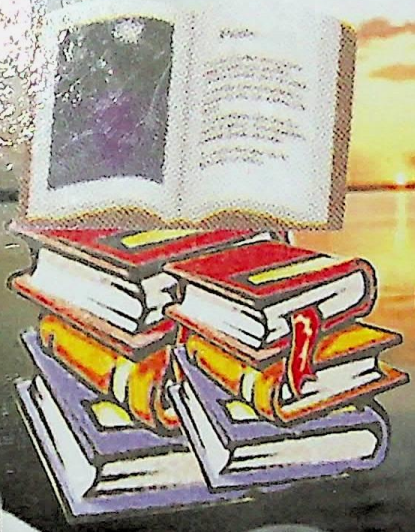

محمد سلیم سالک

میزان پبلشرز سرینگر کشمیر

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کتاب دریچہ

(ادبی کالموں کا انتخاب)

محمد سلیم سالک

میزان پبلشرز (رجسٹرڈ)

متصل فائر اینڈ ایمرجنسی سروسز ہیڈ کوارٹرس

بٹہ مالو سرینگر

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

C جملہ حقوق بحقِ مصنف محفوظ

❁ عنوان : کتاب دریچہ

❁ نوعیت : ادبی کالموں کا انتخاب

❁ مصنف : محمد سلیم سالک

❁ بار اول : ۲۰۰۹ء

❁ قیمت : 250/= سو روپے

❁ کمپیوٹر کتابت : ایس آر کمپیوٹرس شال ٹینگ کراسنگ سرینگر کشمیر

❁ سرورق :

❁ ناشر : میزان پبلشرز۔ بٹہ مالو سرینگر کشمیر

Title : Kitab Dareecha

Authour : Saleem Salik

Price : 250/=

Publisher : **Meezan Publishers**

Opp. Fire and Emergence Services
Headquarters, Batamaloo Srinagar,
Kashmir. 190009
Tel: (O) 0194-2470851;
Fax : 0194-2457215
(Mob) 9419002212, 9906677468
Email: Meezanpublishers@rediffmail.com

باهتمام:
شبیر احمد

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

انتساب

اپنے اُستادِ محترم

.....کے نام

جنہوں نے مجھے

اور

میرے ساتھیوں کو

ایک مجموعی خطاب

"ساغر"

سے نوازا۔

یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں
لیکن اب نقش و نگارِ طاق نسیاں ہو گئیں

(غالب)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ترتیب

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
1	دل کی بات	01
2	جس دیئے میں جان ہوگی وہ دیا رہ جائیگا	04
3	نمی دانم چہ منزل بود شب جائے کہ من بودم	06
4	مجھے تاریخ دہراتی رہے گی ہر زمانے میں	08
5	اک پھول کا مضمون ہو تو سو رنگ سے باندھوں	11
6	مہجورؔ کی حاضر جوابی.....علامہ شبلیؔ کی سراہنا	14
7	کیا نئی نسل میں کوئی نازکیؔ یا درؔ موجود نہیں؟	16
8	زباں بگڑی تو بگڑی تھی خبر لیجئے دہن بگڑا	19
9	عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے	21
10	کشمیر کی مستند تاریخ.....ہنوز نامکمل؟	23
11	کریما بخشائے بر حال ما	26
12	کشمیر میں سنسکرت شعریات کا سرمایہ	29
13	شعر چیزے دیگر است	31
14	بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا	33
15	گر شہرت کو بھی دامن سے لپٹنے نہ دیا	36

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

16	مہجور اور جدید تاریخ کشمیر	39
17	اب دیکھنے کو جن کے آنکھیں ترستیاں ہیں	42
18	کاش مہاراجہ رنبیر سنگھ کی خواہش پوری ہوتی!	45
19	تخلیقی زندگی کے تین ادوار	47
20	سارے جہاں میں دھوم ہماری زبان کی ہے	49
21	حق ہے کچھ کشمیریوں کے نالۂ شب گیر کا	52
22	یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں	55
23	بات کرنے سے زبان نہیں کٹتی	59
24	سنبھل کر لکھیئے، کہیں ٹوٹ نہ جائے!	62
25	آنکہ دارد قیام در کشمیر	66
26	اُردو ہے غیر فانی، اُردو ہے جیسے پانی	68
27	تخلیقی عمل کے پیچ وخم	71
28	اردو والوں کے بارے میں چند غلط فہمیاں	75
29	کشمیر میں اُردو	78
30	پھر مدد کرنا ابابیلوں کا لشکر بھیجنا	81
31	شعروں کے انتخاب نے.....!!	84
32	مختصر تبصرے	103
33	ریاست جموں وکشمیر کے ادیبوں کی کاوشیں (۲۰۰۰ء کے حوالے سے)	132

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

Kitab Dareecha

"A Collection Of Literary Columns"

مصنف ایک نظر میں

نام	:	محمد سلیم خان
قلمی نام	:	محمد سلیم سالک
ولدیت	:	غلام نبی خان
پیدائش	:	چھتہ بل، سرینگر کشمیر
تعلیم	:	ایم۔اے (اُردو) ایم فل (اُردو کے ضرب المثل اشعار: ایک مطالعہ) نیٹ (NET)
شغل	:	تحقیق وتنقید، ادبی صحافت
کتابیں	:	(۱) فرید پربتی: شعر، شعور اور شعریات (مرتب) ۲۰۰۶ء (۲) کتاب دریچہ (ادبی کالموں کا انتخاب) ۲۰۰۹ء
زیرِ طبع	:	(۱) جموں کشمیر میں اُردو افسانہ: ایک جامع انتخاب (پریم ناتھ پردیسی سے ترنم ریاض تک) (۲) شعروں کے انتخاب نے!
سکونت (حال)	:	فرینڈس کالونی۔1، ایچ ایم ٹی روڑ شال ٹینگ سرینگر
ای میل:		SalimSalik@gmail.com
فون نمبر:		9906518020

Meezan Publishers
Opp. Fire & Emergency Services
H.Q, Batamaloo, Srinagar Kashmir. 190009
Telephone: 0194-2470851, 9419002212 Fax: 0194-2457215
email: meezanpublishers@rediffmail.com

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

سلیم سالکؔ کشمیر کے نوجوان ریسرچ اسکالر ہیں۔علم وادب سے خاص لگاؤ رکھتے ہیں۔ طنز ومزاح کے علاوہ تحقیقی وتنقیدی مضامین بھی لکھتے ہیں جو مواد، زبان وبیان اور اسلوبِ نگارش پر پورے اُترتے ہیں۔''فریدؔ پربتی: شعر، شعور اور شعریات'' کی ترتیب وتہذیب میں سلیم سالکؔ نے نہایت خوش اسلوبی اور اعتمادی کے ساتھ متن ترتیب دیا ہے۔مجھے یقین ہے کہ ایک روز اپنی شناخت بنانے میں کامیاب ہونگے اور یہ دن زیادہ دور نہیں!.....

نورشاہ

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

سلیم سالک نئی نسل کے قلمکاروں کے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جو ادب نواز بھی ہیں اور ادب شناس بھی، جو زبان و ادب کی اعلیٰ اقدار کو سنوارنے اور نکھارنے میں یقین رکھتے ہیں وہ بھی ایک مکمل تحدید کے ساتھ۔ ہونہار بروے کے چکنے چکنے بات کی زندہ مثال سلیم تنقیدی شعور رکھتے ہیں اور ایک باصلاحیت اور علم و ادب سے گہرا شغف رکھنے والے نوجوان ہیں اور قلیل عرصے میں اپنی شناخت بھی بنا چکے ہیں ان میں بھی احساس ذمہ داری اور وعدہ ذمہ داری، دونوں موجود ہیں لہٰذا ان کی ادب عالیہ کے تئیں ہر کوشش قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی اور خود بخود اعتباریت کی حامل ہوگی۔ (بحوالہ روزنامہ آفتاب 24 ستمبر 2006ء)

عمر مجید

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

دل کی بات

لکھنا بہت ہی مشکل امر ہے اور جب مخصوص و متعین وقت میں لکھنا ہو، تو یہ ''کارِ دارد'' والا معاملہ بن جاتا ہے۔ ہماری ریاست میں کئی ایسے ہر فن مولا اصحابِ قلم موجود ہیں جو ہر نوعیت کے کالم لکھنے میں خود کو خود مکتفی تصور کرتے ہیں، ۔سیاسی ہو یا سماجی، اقتصادی ہو یا نفسیاتی وہ ہر موضوع پر قلم برداشتہ مطالعہ و مشاہدہ کے بغیر صفحوں کے صفحے سیاہ کرنے میں ید طولیٰ رکھتے ہیں ۔عربی کے مشہور مقولہ ''لکل فن الرجال'' کے مصداق میں نے اپنے کالم ''کتاب دریچہ'' کو دانستہ طور پر ادب کے دائرے میں ہی مخصوص رکھا، جس سے مجھے ذاتی طور پر ایک فائدہ یہ ہوا کہ میں باقی شعبہ جات سے بالکل کٹ کے رہ گیا۔ جو شاید میرے مزاج کی عکاسی بھی کرتا تھا۔

مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ میں تبصرہ نگاری کرتے کرتے کالم نویسی کی سرحد اس طرح پھلانگ گیا کہ جیسے کوئی ان جانے میں No man's land کو تو پار کر لیتا ہے لیکن جب اس کو معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کے اصول بہت مختلف ہی نہیں بلکہ جان لیوا بھی ہیں۔ اسی طرح کالم نویسی بھی جان جوکھم میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ ایک کالم نویس کو کسی موضوع کو ''حدفِ سخن'' بناتے وقت سو چنا پڑتا ہے کہ کہیں گیہوں کے ساتھ گھن بھی نہ پس جائے۔ اور وہ اس سے بے خبر ہوتا ہے کہ اس نے ان جانے میں کتنے دشمن پیدا کئے ہیں جس کا خمیازہ اس کو بعد میں بھگتنا پڑتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کالم نویس جانبدار رہ کر ہی لکھتا ہے سوائے چند کے۔ جن کو میری بات ناگوار گزرے، براہ کرم وہ اپنے آپ کو ان ''چند'' میں ہی شمار کریں۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

میرے کالم کی آسانی یہ تھی کہ مجھے زیادہ مواد ''مطالعہ و مشاہدہ'' میں ہی مل جاتا تھا۔ اس لئے مجھے پریشان ہونے کی کبھی نوبت نہیں آئی، لیکن جس بات نے مجھے ہمیشہ مضطرب رکھا وہ یہ کہ کس موضوع پر لکھا جائے۔ اس لئے میں نے کتابوں کے علاوہ کبھی کبھی سمینار، مشاعرہ، مباحثہ میں بھی مواد اکٹھا کیا۔ جس سے کچھ تلخ یا خوشگوار یادیں بھی محفوظ ہوگئیں۔ کبھی کبھار کسی ادیب یا شاعر کی ناگہانی موت بھی کالم لکھنے کا محرک بنی۔ بارہا ایسا بھی ہوا کہ کچھ کتابوں کے تبصرے مصنف یا مولف کی ایما پر بھی کئے۔ جس سے مصنف کا حریف میرا بھی خیر خواہ بنا۔ کچھ حضرات نے اس کا برملا اظہار زبانی جمع خرچ تک محفوظ رکھا، تو کئی اصحابِ قلم ''قرطاس ابیض'' لکھنے پر بھی مجبور ہوگئے۔ میری ہمیشہ کوشش رہی ہے کہ ان موضوعات پر لکھوں جو دلچسپ اور معلوماتی ہوں۔ جب میں نے ''شعروں کے انتخاب نے'' کو قسط وار لکھا، تو میں نے ایسے اشعار کا انتخاب کیا جن کے متن اور منسوبات میں اختلافِ رائے پایا جاتا ہے، ساتھ ہی ان زبان زد اشعار کے محرکات کو بھی سامنے لانے کی کوشش کی، تاکہ دلچسپی کا عنصر غالب رہے۔

جہاں تک حوصلہ افزائی کا تعلق ہے وہ مجھے حد سے زیادہ ملی، جس کا بین ثبوت یہ ہے کہ مجھے یہ تحریریں جمع کرنے کا شوق چرایا، اور ان کو ایک لڑی میں پرونے کا موقعہ ملا۔ جس کو بعض حضرات ''جلد بازی'' سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔ بہر حال مجھے اس بات کی خوش فہمی نہیں کہ میری یہ تحریریں تحقیقی یا تنقیدی نوعیت کی ہیں بلکہ میں ان کو تاثراتی ہی تصور کرتا ہوں۔ جبکہ میں نے جہاں سے بھی مواد لیا، اس کا حوالہ دینے کی کوشش ضرور کی ہے تاکہ بات ''صحیح اور سالم'' بیان کر سکوں۔

مجھے اس بات کا قطعی زعم نہیں کہ میں ایک کالم نویس کی حیثیت سے آپ سے مخاطب ہوں، بلکہ میں نے ہمیشہ خود کو ایک طالب علم ہی تصور کیا ہے جس کا مجھے بہت فائدہ بھی ملا۔ میری تحریریں بے رنگ و بے کیف ہوتیں اگر استاذی جاوید آذر صاحب ان

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کو ایک نظر نہ دیکھتے، ان کی نوک پلک نہ سنوارتے، خصوصی طور پر حک و اصلاح سے نہ نوازتے، تو شاید میری تحریریں ''کشمیر عظمیٰ'' کی زینت نہیں بن پاتیں۔ اگرچہ جاوید صاحب اس بات پر ہمیشہ نالاں رہتے کہ میں خود کو ایک مخصوص خول میں سمیٹ رہا ہوں، جو میرے لئے سم قاتل بھی ثابت ہوسکتا ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ میں ہر موضوع پر لکھوں چاہے وہ سماجی ہو یا سیاسی، اقتصادی ہو یا تاریخی، لیکن میری کج فہمی مجھے ادب کے دائرے میں ہی سمیٹ کر رکھتی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں ''ادب'' کا ہی ہو کر رہ گیا۔

میں اپنے محترم اُستاد ڈاکٹر فرید پربتی صاحب کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے مجھے ہمیشہ خوب سے خوب تر کرنے کی ترغیب دی۔ ساتھ ہی برادرم شبیر صاحب کا مشکور ہوں جنہوں نے منتشر اوراق کو سمیٹنے کی طرف توجہ دلائی اور مسودے کو کتابی شکل دینے میں دلچسپی کا مظاہرہ بھی کیا۔ دوستوں میں سلیم ساغر اور رؤف راحت کا تہہ دل سے ممنون ہوں کہ انہوں نے مسودے کی ترتیب و تہذیب میں میری معاونت کی۔

آخر پر قارئین عظمیٰ کا شکر گزار ہوں، جنہوں نے ہر اتوار ''کتاب دریچہ'' کو پڑھا ہی نہیں بلکہ کئی مرتبہ پوچھا بھی کہ اگلی اتوار کو کیا لکھنا ہے۔ کبھی کبھار جب کالم لکھنے میں ناغہ ہو جاتا تو قند مکرر کے طور پر کوئی پرانا کالم چھپ جاتا، تو اکثر دوستوں کی شکایت رہتی کہ کہیں ''کتاب دریچہ'' جمود کا شکار تو نہیں ہو گیا۔ یہ بات مجھے کچھ نیا لکھنے کے لئے ضرور اکساتی۔ مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ کالم نویسی کے جو اصول و ضوابط ہیں ان پیمانوں پر اگر دیکھا جائے تو میری تحریریں ''کم تر'' سمجھی جائیں گی یا.....؟۔ دل کی بات سننے کے بعد فیصلہ آپ کو کرنا ہے!!

محمد سلیم سالک

مورخہ یکم فروری ۲۰۰۹ء

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

جس دیئے میں جان ہوگی وہ دیا رہ جائیگا

ڈاکٹر بشیر گاش نے ستّر کی دہائی میں ''ارمغانِ کاشمر'' کے نام سے ایک افسانوی انتھالوجی مرتب کی، جو اُس وقت کے نوجوان افسانہ نگاروں کی تخلیقات سے مزین ہے جن کو نوآموز سمجھ کر نظر انداز کیا جاتا تھا۔ بشیر گاش کے لکھے ہوئے پیش لفظ کی معنویت اور اہمیت چار دہائیاں گزرنے کے باوجود بھی برقرار ہے۔ ایک طرف گاش صاحب نے کہنہ مشق ادیبوں کو چیلنج کر کے اس بات کی نفی کرنا چاہی ہے کہ یہاں نام نہاد ادیبوں کے علاوہ مخلص اور دیانت دار قلمکار بھی موجود ہیں، جو قلم حمال بن کر نہیں لکھتے۔ دوسری طرف اس کتاب میں مختلف ادیبوں اور کہنہ مشق شعراء کی آراء سے بھی آراستہ کیا ہے، جن میں کرشن چندر سے لیکر اکبر حیدری تک سبھی مقتدر قلم کاروں نے روایتی انداز سے حوصلہ افزا کلمات لکھے ہیں لیکن مرحوم علی محمد لون کا مراسلہ نما پیغام آج بھی نئی نسل کے لئے برمحل اور موزوں ہے جن کو ہمیشہ سے یہ گلہ تھا کہ بڑے ادیب نئے لکھنے والوں کو موقعہ فراہم نہیں کرتے ہیں۔ لون صاحب اس سلسلے میں رقم طراز ہیں:

''سوچتا ہوں کہ آپکے ''ارمغانِ کاشمر'' کے لئے کیا پیغام دوں اور کیا میں اس قابل ہوں کہ پیغام دے سکوں؟ پیغام نہ سہی ایک رائے ضرور پیش کروں گا۔ بڑی ہی نیک نیتی اور خلوص کے ساتھ۔ یہ جو آپ نوجوان ادیب اور شاعر ہم جیسے لوگوں سے پیغامات وغیرہ لکھواتے پھرتے ہیں۔ میرے خیال میں غلط ہے۔ ہاں تھوڑا بہت نام ہے اپنا۔ تھوڑا بہت (contribution) بھی ہے لیکن آپ ہمیں ٹھیک سے جانتے نہیں۔ آیئے میں آپکو بتاتا ہوں کہ ہم کیا ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ کوئی ادب یا شاعری کے میدان میں ہماری ہمسری کا دعویٰ کرے، اس سے ہماری اہمیت اور شہرت دونوں میں خلل پڑنے کا اندیشہ رہتا ہے۔ ہماری یہ کوشش رہی ہے کہ آپ اور آپ جیسے دوسرے نوجوانوں کو ادب کے خارزار اور شاعری کے ریگزار سے ڈراتے رہیں۔ آپ کو راہِ ادب سے بھٹکائیں۔ آپ کے دل میں وسوسہ، ڈر، واہمے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اور شکوک پیدا کریں، اسکی ہر اچھی، بری کوشش اور اچھے برے عمل میں کیڑے نکال کر آپ کو (frustrate) کریں۔ بھئی! ایسا نہ کریں تو ہمارے نام لیواؤں میں پھر کون رہے گا۔ آپ نے بڑھ کر بازی جیت لی تو ہم اپنی ہار پر مطمئن کیسے ہوں گے؟ بھئی! انسانی کمزوری ہے آڑے آتی ہی ہے اور پھر جب یہ احساس بھی ہر دم آسیب کی طرح پیچھے لگا ہو کہ عمر کا سورج ڈھل رہا ہے، اعصاب کمزور ہو رہے ہیں، فنی اور تخلیقی صلاحتیں جواب دینے کو ہیں تو ہم بڑے ہی خود غرض، لالچی اور ظالم بنتے ہیں اور آپ لوگوں کے ساتھ وہ کچھ کر گذرتے ہیں جس کے خلاف ہم اپنی کہانیوں، افسانوں، نظموں اور ڈراموں میں لکھتے رہتے ہیں۔

مجھے بھی اسی لالچی اور ظالم پیڑھی میں شمار کیجئے۔ میں بھی نوجوانوں کی پیڑھی سے خائف ہوں اور چاہتا ہوں کہ کہیں وہ مجھے پچھاڑ کر آگے نہ بڑھیں۔ بہر حال اگر آپ کے نوجوان ساتھیوں میں اور آپ کی پیڑھی میں جان ہے، صلاحیت ہے، کام کرنے کی لگن ہے، تخلیقی اور فنی مادہ ہے تو بیشک آگے آیئے، لڑیئے میری پیڑھی کے ساتھ، اس کشمکش میں اس لڑائی میں، اگر میری پیڑھی ہار جاتی ہیں تو کوئی کر ہی کیا سکتا ہے، آپ چیلنج قبول کیجئے، کسی بھی چیز کے محتاج نہ رہیے۔ راستہ آپ کے سامنے ہے منزل بھی نظروں سے دور نہیں۔ آگے بڑیئے، ہوسکتا ہے آپ کی ہمت، آپ کی لگن، آپ کا حوصلہ آپ کو ہم پر فوقیت دے اور آپ ہم سے بہت پہلے ہی منزل کو پالیں۔ امید ہے آپ کو میری صاف گوئی بری نہیں لگی ہوگی"۔

لون صاحب کا یہ پر خلوص پیغام آج ان ادیبوں اور شاعروں کے لئے مشعل راہ ہے جو اپنی خود غرضی اور چاپلوسی سے نئی نسل کے لئے روڑے اٹکاتے ہیں، شاید اس ڈر سے کہیں ان کی خود ساختہ کچی عمارت تیز ہواؤں سے نہ ڈھ جائے۔ ادب کی قندیل میں وہی شمع روشن رہتی ہے جس میں بادِ مخالف سے ٹکرانے کی صلاحیت ہو۔ اس لئے نئی نسل کے قلمکاروں کو کبیدہ خاطر ہونے کی قطعی ضرورت نہیں بلکہ محشر بدایونی کے شعر کے مصداق اپنی صلاحیتوں کا اظہار کرنا ہوگا۔

اب ہوائیں ہی کریں گی روشنی کا فیصلہ
جس دیئے میں جان ہوگی وہ دیا رہ جائے گا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

نمی دانم چہ منزل بود شب جائے کہ من بودم

اہل علم کے نزدیک جب کوئی معلومات درکار ہو، تو اس کے لئے ماہرین کی طرف رجوع کرنا دانشمندی تصور کی جاتی ہے۔ دو برس قبل غلام نبی خیالؔ نے امیر خسروؔ سے منسوب ایک نعتیہ غزل کے دو شعروں کے متعلق محققین ادب سے رجوع کیا تھا کہ مذکورہ شعر کے صحیح خالق کی نشاندہی کریں۔

نمی دانم چہ منزل بود شب جائے کہ من بودم
بہر سو رقصِ بسمل بود شب جائے کہ من بودم
خدا خود میر مجلس بود، اندر لا مکاں خسروؔ
محمدؐ شمع محفل بود شب جائے کہ من بودم

اس بابت خیالؔ صاحب نے ہفتہ روزہ ''ہماری زبان'' اور ماہنامہ ''شاعر'' میں بھی مراسلے شائع کروائے تھے۔ اس سلسلے میں ہفتہ روزہ ''ہماری زبان'' شمارہ نمبر ۴۷ (۱۵ تا ۲۱ دسمبر ۲۰۰۶ء) میں محترم حنیف نقوی (بنارس) کا طویل مراسلہ شائع ہوا۔ جس میں موصوف مذکورہ اشعار پر روشنی ڈالتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:۔

''پہلی بات تو یہ عرض کرنا ہے کہ اس غزل کو صرف اس کے مقطعے کی وجہ سے نعت قرار دینا مناسب نہیں۔ مطلع کے علاوہ اس کے مندرجہ ذیل اشعار بھی اس کے غزل

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اور خالص عاشقانہ غزل ہونے پر دلالت کرتے ہیں:۔

؎ رقیباں گوش برآواز واودرناز ومن ترساں
سخن گفتن چہ منزل بود، شب جائے کہ من بودم
پری پیکر نگارے، سروقدے، لالہ رخسارے
سراپا آفتِ دل بود، شب جائے کہ من بودم

دوسری اور اہم تر بات یہ ہے کہ یہ غزل کسی ایک شاعر کی تصنیف نہیں، ایک سے زائد شعرا کے منتخب اشعار کا مجموعہ اور قوال کی طباعانہ کارگزاری کا ثمرہ ہے۔

مقطعے میں خسروؔ کا تخلص شامل کر کے زمانۂ مابعد کے ان متفرق اشعار کو اعتبار و امتیاز کی سند عطا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان اشعار میں سے مطلعے کا مصرع ثانی اور راقم کا پیش کردہ پہلا شعر مصحفیؔ کے تذکرے ''عقد ثریا'' اور موہن لال انیسؔ کے تذکرے ''انیس الاحبا'' میں مرزا محمد فاخر مکیںؔ کے کلام میں موجود ہے۔ مصحفیؔ نے مکیںؔ کی اس غزل کے چار اور انیسؔ نے آٹھ شعر نقل کیے ہیں۔ ان دونوں تذکروں کے مطابق مکیںؔ کا مطلع حسبِ ذیل ہے:۔

؎ سرودِ نالۂ دل بود، شب جائے کہ من بودم
بہر سو رقص بسمل بود، شب جائے کہ من بودم

اردو میں اس قسم کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ جہاں قوالوں نے ایک زمین کی مختلف غزلوں سے بہترین اشعار انتخاب کر کے اور ان میں سے کسی شعر میں کسی مشہور و ممتاز شاعر کا تخلص داخل کر کے ایک مرصع غزل تیار کر لی ہے اور اسے سامعین کے سامنے پیش کر کے خوب داد حاصل کی ہے''

✿✿✿

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

مجھے تاریخ دہراتی رہے گی ہر زمانے میں

میرے ایک دیرینہ کرم فرما دوست ریاض صابرؔ صاحب ،فارسی میں گولڈ مڈلسٹ ہیں اکثر و بیشتر کشمیر کے فارسی شعراء کے متعلق ذکر کرتے ہیں۔غنی کاشمیری کی شاعری کے دلدادہ ہیں ان کے اشعار گنگناتے رہتے ہیں۔ان کی صحبت میں رہ کر مجھے بھی فارسی شعراء کا کلام دیکھنے کا اشتیاق پیدا ہوا۔ان کی ہی صلاح پر میں نے بھی دیوان غنی خریدا، حالانکہ فارسی سے میری سدھ بدھ انتہائی واجبی ہے۔چند روز قبل میں ان کے ساتھ راجوری کدل اسلامیہ سکول کے پاس سے گذر رہا تھا کہ اچانک غنی کاشمیری کا گھر دیکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ایک سن رسیدہ بزرگ کی نشاندہی سے غنی کاشمیری کا گھر ڈھونڈنے میں آسانی ہوئی۔وہاں پتہ چلا کہ غنی کاشمیری کا پرانا گھر مرورِ ایام سے بوسیدہ ہونے پر گورنمنٹ نے اسے پرانے نقشے کے مطابق از سرِ نو تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا،لیکن جب تعمیر کا کام آگے بڑھنے لگا تو ایک ہمسایہ نیک نے عدالت سے حکم التواء حاصل کر کے یہ کوشش ناکام بنادی ہے۔پُرانے مکان کی ویرانی دیکھ کر انسان سہم جاتا ہے کہ کیا سچ مچ یہ وہی مکان ہے جہاں غنی کاشمیری سے ملنے کے لئے دور دراز ملکوں سے اہل علم حضرات آتے تھے۔ایک واقعہ تو بہت ہی مشہور ہے۔جس کا غنی کے اس شعر سے تعلق ہے:۔

موئے میانِ تو شدہ ''کرالہ پن''
کرد جدا کاسہ سر ہا ز تن

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ایران کے مشہور شاعر صائب، جن کے متعلق مشہور ہے کہ شہنشاہِ ایران ان کا دیوان اپنے سرہانے پہ رکھتے تھے اور جب بھی کبھی سفر کے لئے نکلتے تھے تو ان کے توشے میں دیوانِ صائب بھی موجود رہتا۔ یہی صائبؔ خود غنیؔ کے اس شعر کا مطلب دریافت کرنے کے لئے کشمیر وارد ہوئے۔ جب وہ غنی کاشمیری کے گھر پہنچے، تو معلوم ہوا گھر پر تالا چڑھا ہوا ہے، جب دوسری صبح پھر غنی کی تلاش میں آئے، تو کیا دیکھتے ہیں کہ گھر کا دروازہ کھلا ہے لیکن اندر کوئی نہیں۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا، کہ غنیؔ کاشمیری کہاں ملیں گے۔۔ بسیار تلاش کے بعد کسی نے کہا کہ تم جب گھر پر تالا دیکھو تو آواز دے کر غنی کو پکارو۔ جب اس نے یہی طریقہ کار آزمایا تو غنی کاشمیری سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ لیکن اس کے لئے یہ معمہ تھا کہ جب غنی کاشمیری گھر پر ہوتے ہیں تو دروازے پر تالا کیوں چڑھا دیتے ہیں، جب گھر سے غیر حاضر ہوتے ہیں تو گھر کھلا کیوں چھوڑ دیتے ہیں۔ جب غنی کاشمیری نے آنے کی وجہ دریافت کی۔ تو انہوں نے پہلے اس معمہ کو سلجھانے کی درخواست کی۔ غنی نے مسکرا کر جواب دیا، گھر پر تالا اس وقت رکھتے ہیں جب گھر میں کوئی قیمتی چیز موجود ہوتا کہ چوروں کی دست برد سے محفوظ رہ سکیں۔ اس گھر کی قیمتی چیز میں ہوں، اس لئے جب میں گھر میں رہتا ہوں تو باہر دروازے پر تالا چڑھا دیتا ہوں ہوں۔ صائبؔ غنیؔ کا جواب سن کر لاجواب ہوئے۔ شعر کے مرکزی لفظ ''کرالہ پن'' کے معنی سمجھاتے ہوئے کہا کہ ''کرالہ پن'' ایسا رشتہ ہے جس سے کمہار کاسہ کو چاک سے جدا کر لیتے ہیں۔ اکثر تذکرہ نگاروں نے یہاں تک لکھا ہے جب کوئی ہندوستان سے ایران جاتا تو صائب اس سے یہ سوال ضرور کرتا کہ میرے لئے ہندوستان سے کیا تحفہ لائے ہو؟ اور اس تحفہ سے مراد ہمیشہ غنی کا کلام ہوتا تھا۔ جو لوگ تجارت کے سلسلے میں افغانستان، ایران، وسطی ایشیا وغیرہ جاتے تھے ان کی وساطت سے غنی کا کلام دور دور تک پہنچ جاتا تھا جس کا اشارہ خود غنی نے بھی دیا ہے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بابران سخن ہاروان می رود

چہ ایران در جہاں می رود

علامہ اقبال نے اپنی شاہکار کتاب ''جاوید نامہ'' میں آسمانی سفر کے دوران صرف ایک کشمیری کا ذکر کیا ہے اور وہ کوئی اور نہیں، غنی کاشمیری ہے

شاعرِ رنگین نوا طاہر غنی

فقرِ او باطن غنی ظاہر غنی

مکان کی بوسیدہ حالت دیکھنے کے بعد قبر پر حاضری دینے کی خواہش ہوئی، جو بسیار تلاش کے بعد ایک نالی کے دہانے پر ملی، جس پر اتنی مٹی پڑی تھی کہ قبر کا کوئی نشان باقی نہیں رہا ہے۔ حیرانی ہوتی ہے کہ کشمیر کا مایہ ناز شاعر جن کی شہرت کے ڈنکے ایران تک سنائے دیتے تھے، آج ان کی قبر بھی ہماری نظروں سے اوجھل ہونے لگی ہے، اتنے سال گذر جانے کے بعد بھی غنیؔ کی روح جیسے ہم سے کہہ رہی ہو کہ تم مجھے لاکھ بھول جاؤ لیکن تاریخ مجھے ہمیشہ یاد رکھے گی۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اک پھول کا مضمون ہو تو سو رنگ سے باندھوں

ایک فن کار کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے فن میں یکتا و پختہ بننے کے لئے اس فن کے اسرار و رموز سے واقفیت حاصل کرے، تا کہ وہ اپنے فن کو معائب سے پاک رکھ سکے۔ اسی طرح ایک شاعر کے لئے ضروری ہے کہ وہ شاعری کے فنی اصول و ضوابط کا اتنا علم رکھتا ہو، کہ وہ شعر میں استعمال ہونے والے الفاظ کی نشست و برخاست اور معائب و محاسن کو صحیح ڈھنگ سے محسوس کر سکے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ شاعری بہترین الفاظ کا بہترین استعمال ہے۔ جس شعر میں الفاظ کو محدود انداز میں برتا جاتا ہے وہ اوج معنی کی پرواز کرنے سے قاصر ہوتا ہے۔ یہ ضروری ہے کہ ایک شعر میں مرادفات کا کس قدر تنوع ہوتا ہے۔ لفظ و محاورہ کی تازگی کو اس میں کس قدر دخل ہوتا ہے۔ تعمیم کے کتنے مراتب ہیں، تخصیص کے کس قدر درجے ہیں، تشبیہ کی کتنی صورتیں ہیں، استعارہ کے کتنے انداز ہیں، کنایہ کی کتنی قسمیں ہیں، انشاء کے کس قدر نمونے ہیں۔ پھر فصاحت و بلاغت کے اصولوں پر پرکھیں، تو ایک شعر میں سینکڑوں معنی پوشیدہ ملتے ہیں۔ علامہ نظم طباطبائی نے فصاحت و بلاغت کے حوالے سے شرح دیوان غالب میں صرف دو لفظوں کا ایک مضمون باندھتے ہوئے کئی طرح سے یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ ایک مضمون کو کس طرح مختلف انداز سے برتا جا سکتا ہے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

۱۔اس مضمون میں ادنیٰ درجے کا تنوع یہ ہے کہ لفظ ''حسین'' کے بدلے اس کے مُرادف جو الفاظ مل سکیں انھیں استعمال کریں۔مثلاً وہ خوبصورت ہے۔وہ خوش جمال ہے۔وہ خوش گلو ہے۔وہ خوب رُو ہے۔وہ سندر ہے۔اس کے اعضاء میں تناسب ہے۔حسن اس میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔وہ نُور کے سانچے میں ڈھلا ہے۔

۲۔اس کے بعد یہ دلالتِ قرینہ مُقام ذرا معنی میں تفہیم کر دیجئے۔مثلاً وہ آشوبِ شہر ہے۔کوئی اُس کا مد مقابل نہیں۔کوئی اُس کا جواب نہیں۔کوئی اس کی نظیر نہیں۔وہ لاثانی ہے۔وہ اپنی نظیر آپ ہے۔

۳۔پھر اس مضمون میں ذرا تخصیص کر دیتے ہیں لیکن ویسی ہی تخصیص جو محاورہ میں قریب قریب مرادف کے ہوتی ہے۔مثلاً وہ خوش چشم ہے۔وہ خوش شکل ہے۔وہ موزوں قد ہے۔وہ خوش ادا ہے وہ نازک اندام ہے۔وہ شیریں کار ہے۔وہ گل بدن ہے۔ وہ سیمیں تن ہے۔

۴۔پھر اسی مضمون کو تشبیہ میں ادا کرتے ہیں۔وہ چاند کا ٹکڑا ہے اس کا رخسار گلاب کی پنکھڑی ہے۔اس کا رنگ کندن سا چمکتا ہے۔اس کا قد بوٹا سا ہے۔شمع اس کے سامنے شرماتی ہے۔وہ ماہ پیکر ہے۔وہ پری تمثال ہے۔

۵۔پھر اسی مضمون کو استعارہ میں ادا کرتے ہیں۔مثلاً آفتاب سے اس طرح استعارہ کرتے ہیں کہ اُس کے دیکھنے سے آنکھوں میں چکا چوند آجاتی ہے۔چاند سے استعارہ دیکھئے ''وہ نقاب اُلٹے تو چاند چھٹک جائے''۔چراغ سے استعارہ ملاحظہ ہو'' اندھیرے میں اُس کے چہرے سے روشنی ہو جاتی ہے۔شمع سے استعارہ '' اُس کے گھونگھٹ پر پردۂ فانوس کا گمان ہوتا ہے''برق طور سے استعارہ ''موسیٰ اُسے دیکھے تو غش کر جائیں''۔آئینہ سے استعارہ ''جدھر وہ مُڑتا ہے اُدھر عکس سے بجلی چمک جاتی ہے''۔

۶۔پھر اسی مضمون کو کنایہ میں بیان کرتے ہیں۔مثلاً رنگ سے کنایہ ''وہ ہاتھ

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

لگائے میلا ہوتا ہے''۔تناسب اعضاء سے کنایہ ''وہ حُسن کے سانچے میں ڈھلا ہُوا ہے۔ خدا نے اُسے خاص اپنے ہاتھ سے بنایا ہے''۔چمک سے کنایہ ''اُس کے عکس سے آئینہ دریائے نُور بن جاتا ہے''۔دل فریبی حسن سے کنایہ ''بشر اُسے دیکھ کر تلملا جاتا ہے''۔

۵۔اس کے بعد تازگی کلام کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ خبر کو انشا کر دیں۔'' اللہ رے تیرا حُسن۔تو اتنا خوبصورت کیوں ہے۔سچ بتا تو انسان ہے یا پری ہے۔کہیں تو حُور تو نہیں؟حُور نے یہ شوخی کہاں پائی؟تُو خدائی کا دعویٰ کیوں نہیں کرتا؟

میر انیسؔ جن کو فصاحت و بلاغت کا امام تصور کیا جاتا ہے، نے بہت ہی خوبصورت انداز میں مندرجہ بالا نقاط کی عکاسی کی ہے،

گلدستہ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھوں
اک پھول کا مضمون ہو تو سو رنگ سے باندھوں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

مہجورؔ کی حاضر جوابی.....علامہ شبلیؔ کی سراہنا

شاعر کشمیر مہجورؔ اپنے زمانے کے خوش قسمت شاعر ہیں جن کو زندگی میں اتنی شہرت ملی کہ کشمیری شاعری میں ایک باب کی حیثیت اختیار کر لی۔ان کی شاعری کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ شہر و گاؤں میں ان کے گیت گائے جانے لگے۔ان کی شاعری سماجی اور سیاسی بیداری میں اہم محرک ثابت ہوئی۔مہجور کی شہرت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے مراسم محمد دین فوق، چودھری خوشی محمد ناظرؔ، علامہ اقبالؔ، مولانا شبلی نعمانی، پروفیسر دیوندر ستیارتھی، بلراج ساہنی، پنڈت آنند کول بامزی، جی۔ایم ڈی صوفی، سعادت حسن منٹو، اور مولانا محمد عبداللہ بسملؔ جیسے مقتدر ادباء و شعراء کے ساتھ تھے۔

بسمل صاحب اردو اور فارسی کے ممتاز ادیب تھے۔بسمل صاحب کو کشمیر کے ہر ذرے سے محبت تھی کیونکہ آپ کی شاعری کا گلستان اسی دل افروز و دل نواوادی کے ایک فرزند نے سینچا تھا۔مہجورؔ کی صلاحیتیں دیکھ کر مولانا بسمل بہت متاثر ہوئے۔فن خوشنویسی سے بھی انہی کے توسل سے فیضاب ہوگئے۔آپ پنجاب کے ایک خوش نویس غلام علی کے شاگرد رہے ہیں۔دریں اثنا بسمل صاحب کو قادیان کے ہائی سکول میں بحیثیت فارسی مدرس مقرر کیا گیا۔چونکہ بسمل صاحب اب قادیاں میں رہتے تھے اس لئے آپ مہجورؔ سے خط و کتابت کرتے رہے۔انہوں نے مہجورؔ کو امرت سر سے بلوا کر قادیانیوں کے اخبار ''البدر'' میں کاتب مقرر کروایا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

مہجورؔ وقتاً فوقتاً محمد عبداللہ بسمل کی ملاقات کے لئے امرت سر جایا کرتے تھے۔ ۱۹۰۶ء میں جب مہجورؔ بسمل صاحب سے ملنے کی غرض سے امرت سر چلے گئے تو ان دنوں مولانا شبلی نعمانی امرت سر میں ہی تھے۔ بسمل صاحب کی وساطت سے آپ کی ملاقات مولانا شبلی سے ہوئی۔ بسمل صاحب نے مولانا سے مہجورؔ کا ذکر کیا کہ ''یہ نوجوان علم دوست اور بہت ہی خوش مذاق ہے۔ کشمیر کا رہنے والا ہے اور فارسی میں شاعری کرتا ہے تخلص مہجورؔ ہے'' مولانا شبلی نے دورانِ گفتگو آپ کا کچھ کلام سُنا اور فرمایا ''انداز بیاں قابل تعریف ہے بعض خامیاں ہیں جو خود بخود دور ہوں گی۔ اصلاح کی ضرورت نہیں، جوہر فطری ہے''۔ پھر مہجورؔ کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا ''برخوردار آپ کس سے مہجور ہیں۔'' آپ نے کہا۔ حضرت اپنے وطن کشمیر سے'' مولانا بول اٹھے ''جب آپ اپنے وطن واپس جائیں گے تو کیا اپنا تخلص تبدیل کریں گے''۔ مہجورؔ بولے ''نہیں، تبدیل نہیں کروں گا''۔ مولانا پھر فرمایئے ''کیوں وہاں آپ کس سے مہجورؔ ہوں گے؟'' مہجورؔ کی زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ پھوٹ پڑے ''حضرت آپ سے''۔ مولانا کو جواب پسند آیا اور تبسم کر کے فرمایا ''خوب بسیار خوب'' پھر مہجورؔ کے کندھوں پر دستِ شفقت پھیرا اور فرمایا ''خوش رہو، خدا تمہارے کلام میں تاثیر بخشے''۔

✿✿✿

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کیا نئی نسل میں کوئی ناز کی یا در موجود نہیں؟

جب کوئی نو آموز ادب میں داخل ہوتا ہے تو اس کی پہلی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی تخلیق کو شائع کروائے۔اس حوالے سے کشمیر کے ادباءوشعراء ہمیشہ بدنصیب رہے ہیں کیونکہ یہاں کوئی ادبی رسالہ متواتر کبھی نہیں نکلا ہے جس کے لئے یہاں کے ادیبوں اور شاعروں کو باہر کے رسائل میں چھپنے کے لئے تگ ودو کرنا پڑتی ہیں۔باہر کے رسالوں میں جگہ پانا اس لئے مشکل ہوتا ہے کہ وہاں ملکی سطح پر کلام دیکھا اور پرکھا جاتا ہے۔لیکن جب ہم ماضی کی طرف دیکھتے ہیں تو یہاں کے ادیب اور شاعر کس طرح اپنی تخلیق کو منظر عام لاتے تھے۔تو قدرے حیرت ہوتی ہے کیونکہ اس دور میں صرف دو رسالے عروج پر تھے۔جن میں لاہور سے مولوی صلاح الدین کی ادارت میں ''ادبی دنیا'' اور پنجاب سے جوش ملیح آبادی ''کلیم'' نکالا کرتے تھے۔ ان رسالوں میں بڑے بڑے ادیبوں سے سابقہ پڑتا تھا۔جو زبان و بیان کی معمولی سی معمولی غلطی معافی کے قابل نہیں سمجھتے تھے۔ایسے حالات میں بھی یہاں کے ادیبوں اور شاعروں نے اپنے وسعتِ مطالعہ اور عمیق مشاہدہ سے بڑے بڑے ادیبوں سے اپنا لوہا منوایا۔اس سلسلے میں یہاں پر دو شخصیتوں کے بارے میں کہنا چاہوں گا۔جن کی ابتدائی تحریریں اس معیار کی تھیں کہ ادبی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

حلقوں میں سراسمگی پھیل گئی۔ان میں ایک شاعر اور ایک افسانہ نگار ہیں۔جن کے بغیر کشمیر کی ادبی تاریخ نامکمل ہے۔

غلام رسول نازکی نے جب اپنا ابتدائی کلام لاہور کے مشہور ادبی رسالہ ''ادبی دنیا'' کو بھیجا۔تو ایڈیٹر نے ان کا کلام یہ کہہ کر واپس بھیج دیا کہ ہم اس کو شائع نہیں کر سکتے۔نازکی صاحب نے ہمت نہیں ہاری اور یہی غزل جوش ملیح آبادی کے رسالے ''کلیم'' کو روانہ کی۔جس کو جوشؔ نے اپنے تعارفی کلمات کے ساتھ پہلے صفحہ پر شائع کر کے یہ نوٹ لکھا۔کہ ہمیں خوشی ہے کہ کشمیر کے دور دراز علاقے میں بھی اتنی معیاری شاعری ہوتی ہے۔پھر کیا تھا غلام رسول نازکی نے کبھی پیچھے مُڑ کر نہیں دیکھا۔یہاں تک کہ ان کا فارسی کلام ایران میں یونیورسٹی کے سیلبس (syllabus) میں رکھا گیا۔اس کے علاوہ روس کی کلچرل سوسائٹی نے ''فارسی شعری انتھالوجی'' میں کلام شامل کیا۔

جب ریاست میں پریم ناتھ پردیسی نے افسانہ نگاری کی بنیاد ڈالی تو اس دور میں جن افسانہ نگاروں نے پردیسی کے بعد اردو افسانہ کو عروج کی منزلوں تک پہنچایا ان میں پریم ناتھ در سرفہرست ہیں۔پریم ناتھ در نے اپنا افسانہ ''غلط فہمی'' لاہور کے مشہور و معروف اردو ادبی رسالہ ''ادبی دنیا'' کو ارسال کیا،تو رسالہ کے ایڈیٹر مولانا صلاح الدین نے باضابطہ اپنے اداریہ میں اُن بڑے افسامہ نگاروں کو خبردار کیا جو بزعم خود کسی افسانہ نگار کو ایک آنکھ بھی نہیں بھاتے۔وہ لکھتے ہیں:۔

> ''پریم ناتھ در ہمارے افسانوی افق پر طلوع ہوتے ہی چمک اٹھا ہے اور اگر وہ نوجوان ہے تو پھر ہمارے موجودہ استادوں کو آگے بڑھائے گا اور فن کا پرچم ان دیکھے میدانوں میں جا گاڑے گا''

ابھی مولانا صلاح الدین نے پیش گوئی ہی کی تھی کی ''ادبی دنیا'' کے اگلے شمارے میں وہ لکھتے ہیں:۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

''میں نے در کے بارے میں جو پیشن گوئی کی تھی وہ صحیح ثابت ہوگئی، کہاں ہیں وہ افسانہ نگار جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انہوں نے عظیم افسانے لکھے ہیں وہ آئیں اور دیکھیں افسانے یہ ہوتے ہیں۔ ''چائے کی پیالی'' کو داخلیت اور نفسی تجزیہ کا معیار سمجھنے والے یہ جان لیں کہ اس معیار کے حدود ابھی اور آگے ہیں''۔

متذکرۂ بالا واقعات سے یہی بات مترشح ہوتی ہے کہ جب نئے لکھنے والے میں دم ہو، تو میدان خود بخود پاؤں چومتا ہے۔ اس کے برعکس آج کی نئی نسل جب اپنی کوئی تخلیق کسی رسالہ یا اخبار کو ارسال کرتی ہے تو فن پارہ رد ہونے پر لکھنا ہی چھوڑ دیتے ہیں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ لکھنے والا دوسروں کی تحریریں پڑھے اور اخذ و استفادہ کے دروازے ہمیشہ وا رکھے، جبھی وہ معیاری ادب تخلیق کرسکتا ہے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

زباں بگڑی تو بگڑی تھی خبر لیجئے دہن بگڑا

انسان کو قوتِ نطق کی بنیاد پر اشرف المخلوقات کے خطاب سے نوازا گیا ہے۔اس لئے ضروری ہے کہ ہم اس نعمت کا خوب حق ادا کریں تا کہ ہم صحیح معنوں میں انسان کہلا سکیں۔مشہور مقولہ ہے وہی بات خوب صورت ہے جس کو صحیح ڈھنگ سے بولا جائے۔قدرت نے ہمیں ترسیل اظہار کے لئے تقریر اور تحریر جیسی نعمتوں سے نوازا ہے۔ایک زبان کی مکمل تعریف میں تقریر اور تحریر دونوں لازم وملزوم ہیں۔اور ہر زبان کے لئے ضروری ہے کہ اس کے املا کے قاعدے منضبط ہوں اور ان قاعدوں پر ہی تلفظ کی بنیاد ہوتی ہے۔لکھنے کے لئے املا اور بولنے کے لئے تلفظ کی ضرورت ہمیشہ پڑتی ہے۔اگر چہ زندگی میں ہمیں لکھنے سے زیادہ بولنے کی ضرورت پڑتی ہے۔اسی لئے صاحب زبان ہمیشہ اپنے تلفظ پر زور دیتے ہیں۔یہاں تک کہ وہ تلفظ کی غلطی معافی کے قابل نہیں سمجھتے ہیں۔تلفظ کی بنیاد پر ہی کشمیری اردو، بہاری اردو اور پنجابی اردو کی اصطلاحیں رائج ہوگئی ہیں۔ورنہ لکھنے کے معاملے میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہے۔اردو کے صحیح تلفظ، املا اور تذکیر و تانیث کے سلسلے میں غلطیوں کے ارتکاب سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ لغت سے دوستی کی جائے تا کہ بات کرتے وقت شرمندگی نہ اُٹھانا پڑے۔ہماری نظر میں (ث/س/ص)، (ت/ط)، (ز/ذ/ظ)، (ق/ک) جیسے حروف ایک جیسی آوازیں رکھتے ہیں لیکن صاحب زبان کے یہاں ان کے الگ الگ مخارج ہیں۔لکھنؤ میں امراء اور روساء اپنے بچوں کو صحیح تلفظ سکھانے کے لئے اتالیق مقرر کرتے تھے، تا کہ وہ اہل علم کی صحبت میں رہ کر صحیح تلفظ سیکھ سکیں۔

تلفظ کے حوالے سے میر تقی میرؔ سے ایک خاص واقعہ منسوب ہے۔جب نادر شاہ نے دہلی پر حملہ بول دیا تو وہاں حالات اتنے خراب ہوگئے کہ ہر شخص نے دلی سے ہجرت کرنے میں ہی عافیت سمجھی۔میر تقی میرؔ نے بھی لکھنؤ کا رخ کیا۔اس واقعہ کو مولانا محمد

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

حسین نے ''آب حیات'' میں یوں رقم کیا ہے:

''جب (میر) لکھنؤ چلے تو ساری گاڑی کا کرایہ بھی نہ تھا۔ ناچار ایک شخص کے ساتھ شریک ہو گئے تو دلی کو خدا حافظ کہا۔ تھوڑی دور آگے چل کر اس شخص نے کچھ بات کی۔ یہ اس طرف سے منہ پھیر کر ہو بیٹھے۔ کچھ دیر کے بعد اُس نے بات کی میر صاحب چین بچیں ہو کر بولے کہ صاحب قبلہ آپ نے کرایہ دیا ہے۔ بے شک گاڑی میں بیٹھیں، مگر باتوں سے کیا تعلق! اُس نے کہا۔ حضرت کیا مضائقہ ہے۔ راہ کا شغل ہے باتوں میں ذرا جی بہلتا ہے۔ میر صاحب بگڑ کر بولے، کہ خیر آپ کا شغل ہے میری زبان خراب ہوتی ہے''۔

مولانا ظفر علی خان جن کی ادارت میں اردو کا مشہور و معروف اخبار ''زمیندار'' نکلا کرتا تھا۔ ان کی تحریریں پڑھ کر انگریزوں کی نیند حرام ہو جاتی تھی۔ ایک دفعہ انگریزوں نے ان کو حراست میں لیا تو وہ رونے لگے، جب مریدوں نے پوچھا، حضرت آپ تو مجاہد ملت ہیں تو آپ کیوں روتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا'' میں اس لئے نہیں رو رہا ہوں کہ پولیس نے مجھے گرفتار کیا ہے بلکہ میں اس لئے رو رہا ہوں کہ میری غیر موجودگی میں بچوں کا تلفظ نہ بگڑ جائے''۔

میر انیس کے بچپن کا واقعہ مشہور ہے کہ وہ عام بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے تو وہاں سے ان کے والد صاحب کا گذر ہوا، بیٹے کو عام بچوں کے ساتھ کھیلتے دیکھ کر آگ بگولہ ہو گئے ان کو سزا کے طور پر ایک ہفتہ گھر میں بند رکھا۔ تا کہ عام بچوں کے ساتھ کھیلتے کھیلتے اس کا تلفظ نہ بگڑ جائے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اگر آپ کو کسی کی اصلیت معلوم کرنا مقصود ہو، تو ایک آدھ گھنٹہ اس کے ساتھ بات چیت کیجئے تو خود بخود اندازہ ہو گا کہ وہ کس خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ جب کسی کا تلفظ بگڑ جائے تو دہن بگڑنے میں دیر نہیں لگتی۔ بقول آتش لکھنوی۔

لگے منہ بھی چڑھانے دیتے دیتے گالیاں صاحب
زباں بگڑی تو بگڑی تھی خبر لیجئے دہن بگڑا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

کشمیر کی سیر و ساحت کے لئے دنیا بھر سے لوگ آتے ہیں اور صحت افزاء مقامات کی سیر کرنے کے بعد واپس اپنے وطن چلے جاتے ہیں۔لیکن اردو زبان وادب کے حوالے سے جو عاشقانہ اردو یہاں تشریف لائے۔ان میں شبلی نعمانی ،علامہ اقبالؔ، مولانا ابوالکلام آزادؔ، ڈاکٹر محمد دین تاثیرؔ،خوشی محمد ناظرؔ، دتاتریہ کیفیؔ،اثر لکھنوی ، غلام السیدین ،علی جواد زیدیؔ، پروفیسر عبدالقادر سروری اور ڈاکٹر محی الدین قادری زورؔ قابلِ ذکر ہیں۔ابوالکلام آزادؔ نے ''غبار خاطر'' میں موجود کئی خطوط نسیم باغ سرینگر میں بیٹھ کر لکھے۔اقبالؔ نے اپنی مشہور نظم ''ساقی نامہ'' شالیمار باغ کے پرکشش اور دلفریب نظاروں سے لطف اندوز ہونے کے بعد تخلیق کی۔ پروفیسر سروریؔ نے تین ضخیم جلدوں پر مشتمل دستاویزی حیثیت رکھنے والی کتاب ''کشمیر میں اُردو'' تحریر فرمائی۔اس سلسلے کی ایک اہم کڑی ڈاکٹر محی الدین قادری زورؔ ہیں۔

ڈاکٹر محی الدین قادری زورؔ نے بخشی غلام محمد کے کہنے پر کشمیر میں علم وادب کی شمع روشن کی۔ بہت کم عرصہ میں موصوف نے یہاں کے ادبی حلقوں تک رسائی حاصل کی۔ یہاں کے ادیبوں کو باضابطہ ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کے لئے انہوں نے'' ادارۂ ادبیات اردو'' کی ایک شاخ قایم کرنے کی کوشش کی۔ یہاں کے ادیبوں کی کتابیں ادارۂ ادبیات اردو (حیدرآباد) سے شائع کروائیں۔جن میں مخمور بدخشی کے افسانوں کا مجموعہ ''نیل کنول مسکائے''، حامدی کاشمیری کی ''ناصر کاظمی کی شاعری''اور قاضی غلام محمد کا شعری مجموعہ ''حرف شیریں'' قابل ذکر ہیں۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اس عاشق اردو نے زندگی کے آخری پل ہی یہاں نہیں گزارے، بلکہ یہاں کی ہی زمین میں آرام بھی فرمایا۔ ان کے غم گساروں میں خود اس وقت کے وزیر اعظم جموں و کشمیر بخشی غلام محمد اور انکے وزراء کے علاوہ ہر طبقے کے لوگ شامل تھے۔ انکے آخری سفر کی روداد محمد یوسف ٹینگ بڑے موثر انداز میں اسطرح بیان کرتے ہیں۔

''۲۴ ستمبر ۱۹۶۲ء کی رات کو سرینگر کی ادب نواز آغوش میں زور صاحب ابدی نیند سو گئے۔ جب وہ ایک سال سے کچھ ہی عرصے قبل اپنی علمی سفارت پر یہاں تشریف فرما ہوئے تو انکے جاننے والوں کی تعداد اردو لسانیات و ادب سے گہری دلچسپی رکھنے والے ایک خاص حلقے تک محدود تھی۔ لیکن کچھ ہی وقت گزر جانے کے بعد وہ یہاں کی علمی اور ادبی محفلوں کی جان بن گئے۔ سماجی حلقوں میں ان کی ہر دل عزیزی بڑھتی جارہی تھی اور ان کی کوٹھی پر طلباء، ادیبوں اور دوسرے ملنے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا..... جس وقت ان کا جنازہ اٹھا تو اس کے پیچھے پیچھے ایک طرف خالد کشمیر (بخشی غلام محمد) انکے کابینہ کے وزراء، اعلیٰ حکام، یونیورسٹی کے وائس چانسلر سردار پانیکر اور دیگر اساتذہ اور دوسری طرف ادیبوں، شاعروں اور زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے ہزاروں نفوس کی آنکھیں بھی اشک بار تھیں، جیسے اس انبوہِ کشمیر کا کوئی محبوب چھن گیا ہو۔ تلسی باغ (سرینگر) میں انکی اقیام گاہ سے لیکر خانیار شریف میں انکی آخری آرام گاہ تک یہ مجمع بڑھتا ہی گیا''

ڈاکٹر زورؔ کی آخری آرام گاہ پائینِ شہر کے ایک پرانے محلے خانیار میں زیارت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، جسکو عرفِ عام میں زیارتِ پیر دستگیر صاحب کہتے ہیں کے صحن میں واقع ہے جہاں روزانہ ہزاروں کی تعداد میں فرزندانِ توحید حاضری دیتے ہیں۔ لیکن افسوس جس عاشقِ اردو کا جنازہ بڑے دھوم سے نکالا گیا، آج اس کی قبر کی نشاندہی بھی نہیں ہو پاتی ہے۔ اردو کے نام پر سینکڑوں ادارے چلتے ہیں لیکن آج تک کسی نے اس طرف توجہ نہیں دی کہ مرحوم زورؔ کی قبر پر کتبہ نصب کرواتے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کشمیر کی مستند تاریخ.....ہنوز نامکمل؟

حقائق کے بارے میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ تاریخ کے جمع کئے ہوئے حقائق محض آثارِ قدیمہ کی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ ان کا رشتہ ماضی کے حقائق سے اتنا ہی ہوتا ہے جتنا کہ ماضی کو حال کی روشنی میں دیکھنے سے یا حال کے حقائق کو ماضی کے حقائق کی مدد سے سمجھنا۔ اسلیئے کہا گیا ہے کہ تاریخ ماضی کے حقائق کی مدد سے حال کا مطالعہ کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

ہمارے اکثر دانشوراور کالم نویس اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ کشمیر کی مستند تاریخ نہیں لکھی گئی ہے، بلکہ تاریخ کے نام پر افسانے اور قصے گھڑے گئے ہیں۔ اس موضوع پر بحث ومباحثہ کی کافی گنجائش موجود ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر تاریخ یکسر قلمزد کی جائے۔ ہر مورخ اپنے مخصوص نظریہ سے تاریخ مرتب کرتا ہے اس لئے اکثر مورخین کے درمیاں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ای۔ ایچ کار اپنی کتاب ''تاریخ کیا ہے؟'' میں ایک تاریخ داں کے نقطۂ نظر کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

> ''تاریخ نویسی کا کوئی بھی نقطہ نظر کیوں نہ اپنایا جائے توجیہ، تشریح اور تعبیر تاریخ کے لازمی اجزاء بن کر سامنے آتے ہیں۔ حقائق کو پیش کرنے کے لئے لازمی طور پر مورخ کو کسی نہ کسی نظریاتی بنیاد کا سہارا لینا پڑتا ہے اور خواہ وہ کتنا ہی معروضی یا سائنسی ہونے کی کوشش کیوں نہ کرے اسے حقائق کی توجیہہ اور تشریح ہی میں نہیں بلکہ حقائق کے انتخاب اور ردوقبول میں اور ان کو کم یا زیادہ اہمیت دینے کے سلسلہ میں بھی اپنی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

نظریاتی وابستگی مختلف نوعیتوں کی ہوسکتی ہے اس میں مورخ کی ذاتی پسند و ناپسند، اس کا طبقاتی کردار، اس کا تاریخی نقطہ نظر اور اسکی عصری شخصیت سبھی اہمیت رکھتے ہیں اس اعتبار سے تاریخ صرف حقائق ہی کا نہیں، مورخ کی تاریخی اور تہذیبی شخصیت اور نظریاتی موقف کا بھی اظہار ہے۔ اس نقطہ نظر سے بعض مورخین اور فلسفیوں نے تاریخ کو مورخ کا تجربہ قرار دیا ہے کیوں کہ تاریخ نویسی، تاریخ سازی کا واحد طریقہ ہے۔''

کشمیر کی ایک معتبر تاریخ لکھنا کوئی آسان کام نہیں۔ یہ اکیلے ایک مورخ کا کام نہیں اس کے لئے باضابطہ ایک ادارہ ہونا چاہئے جو یہ کام معتبر اور مستند مورخین کے باہمی اشتراک سے کرائے۔ کیونکہ اس کام کے لئے پرانے مخطوطات تک رسائی اور کثیر رقم کی ضرورت ہمیشہ رہتی ہے اسکے علاوہ ایک مورخ کو سنسکرت، فارسی، عربی، انگریزی، ہندی، اردو اور کشمیری زبانوں سے کما حقہ واقفیت ہونا ضروری ہے کیونکہ اکثر و بیشتر مخطوطات، روزنامچے، رودایں اور کتابیں ان ہی زبانوں موجود ہیں۔

کشمیر کے متعلق جو کتابیں تاریخی نوعیت کی ملتی ہیں ان میں کلہن پنڈت (راج ترنگنی)، جون راج (زینہ راج ترنگنی نامکمل)، شری ور (زینہ راج ترنگنی مکمل) شک پنڈت (راج ترنگنی کا ضمیمہ)، ملا احمد (وقائع کشمیر)، قاضی ابراہیم (تاریخ کشمیر) سید علی ماگرے (تاریخ کشمیر)، سید مبارک خان بیہقی (دستور العمل ملک کشمیر)، سید محمد مہدی (بہارستانِ شاہی)، حسن بیگ خاکی (منتخب التواریخ) ملک حیدر چاڈورہ (تاریخ کشمیر) عبدالصبور غافل (نوادر الاخبار) خواجہ محمد اعظم دیدمری (واقعاتِ کشمیر)، خواجہ اسلم منعمی (گوہر عالم)، میر سعد اللہ شاہ آبادی (باغِ سلیمان)، ملا نظام الدین (وقائع نظامیہ) ہدایت اللہ متو (تاریخ ہدایت اللہ متو)، امیر الدین پکھلیوال (تحقیقات امیری) محمد حیات (تاریخ ہادی)، غلام نبی شاہ (وحیر التواریخ)، پنڈت بیربل کاچرو (مجموعتہ التواریخ)، پیر غلام حسن کھوہامی (تاریخ حسن) حاجی محی الدین مسکین (تاریخ کبیر)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

،سروالٹر لارنس (دی ویلی آف کشمیر) سر آرل سٹاین (راج ترنگنی ،انگریزی ترجمہ مع حوالہ جات) ،آر،ایس پنڈت (راج ترنگنی ترجمہ انگریزی) ،آنند کول بامزی (Archio logical remains in Kashmir ,Geography of kashmir) ،محمد دین فوق (تاریخ کشمیر،تاریخ اقوام کشمیر) صوفی محی الدین (کشیر) رام چندر کاک (Ancient monoment of Kashmir ,logical survey of wardwan)، پریم ناتھ بزاز (History of struggle for freedom in Kashmir)، ڈاکٹر محبّ الحسن (کشمیر انڈر سلطانز)، پی این کے، بامزئی (History of Kashmir)، آر، کے، پارمو (Muslim rule in Kashmir)، یوسف صراف کی (Kashmiris struggle for freedom) (فہرست مکمل نہیں) وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

اس کے علاوہ جن مورخوں نے کشمیر کی تاریخ کے متعلق کتابیں لکھیں ان میں جے، این، گنہار، ایم، ایل کپور، فدا محمد حسنین، محمد اسحاق خان، وغیرہ بہت اہمیت کے حامل ہیں۔اس لئے ضروری ہے کہ متذکرہ کتابوں کا مطالعہ کر کے ایک معتبر تاریخ ترتیب دی جائے۔

✿✿✿

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کریما بخشائے برحالِ ما

حال ہی میں ایک سمینار میں ڈائریکٹر ایجوکیشن نے موجودہ نصابی تعلیم کو ناقص اور فرسودہ قرار دیتے ہوئے اس بات کا اعلان کیا کہ اب وقت آچکا ہے کہ تعلیمی نظام میں کچھ ایسی تبدیلیاں لائی جائیں۔ جن سے ہماری نئی نسل جدید تقاضوں سے خوش اسلوبی سے عہدہ برآ ہو سکے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہمارے اساتذہ بھی جدید مسائل کو دیکھ کر اپنی معلومات کو up -date کریں، تاکہ طلباء کو پڑھائی کے دوران ذہنی اور نفسیاتی خلفشار سے دور رکھا جا سکے۔ آئے دن اس موضوع پر بحث ومباحثہ ہوتا ہے کہ نئی نسل میں صبر کا فقدان کیوں پایا جاتا ہے؟ وہ بڑے بزرگوں کا لحاظ نہیں رکھتے، اخلاقی گروٹ میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے، خودکشی، خودسوزی اور عصمت دری کا رجحان فیشن بن رہا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ نصاب کو فریم ورک کرتے وقت اخلاقیات کو بالخصوص مدِ نظر رکھا جائے، تاکہ طلباء میں غیر محسوس انداز میں پڑھائی کے دوران ہی جینے کا سلیقہ پیدا ہو جائے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

دنیا میں جن کتابوں کو اخلاقیات کے حوالے سے شہرت عام اور بقائے دوام حاصل ہوئی، ان میں شیخ سعدی کی ''گلستان' اور ''بوستان'' قابل ذکر ہیں۔ دنیا کی بیشتر زبانوں میں ترجمہ ہوئی ان کتابوں کو ہر مذہب وملت کے لوگ اخلاقیات کی بوطیقا تسلیم کرتے ہیں۔ شیخ سعدی کی کریما سے کون واقف نہیں، گھر یا مدرسہ، مسجد ہو یا بازار، ہر جگہ ''کریما بہ بخشائے برحال ما'' کی رس بھری آواز کانوں میں پڑتے ہی دل میں تازگی اور روح میں تراوت پیدا ہوتی ہے۔ ساتھ ہی یہ احساس بھی ہوجاتا کہ اپنے پرودگار کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کرنے کا احساس بھی جاگتا تھا۔ تاکہ دل میں ندامت پیدا ہوجائے۔ سعدی کے کلام کی یہ خوبی ہے کہ ہر شخص کو ان کا کلام ازبر ہوجاتا ہے، خواہ وردکرنے والا پڑھا لکھا ہو یا ان پڑھ۔

کریما بہ بخشائے برحال ما
کہ ہستم اسیر کمند ہوا
نداریم غیر از تو فریادرس
توئی عاصیاں راخطا بخش وبس
نگاہ دار مارا زراہ خطا
خطا در گذار وصوابم نما

(اے ربّ کریم! میرے حال پر رحم فرما کہ میں نفس کی قید میں گرفتار ہوں۔ تیرے سوا میری فریاد سننے والا کوئی نہیں، تو ہی گنہ گاروں کی خطائیں بخشنے والا ہے، گناہوں کے راستے سے ہم کو بچا۔ ہماری خطا درگزر کر اور سیدھا راستہ دکھا)

مولانا الطاف حسین حالؔی نے شیخ سعدی کی ''گلستان و بوستان'' کی بے پناہ مقبولیت کا عمدہ تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

'' فارسی میں کوئی کتاب ان سے زیادہ مقبول اور مطبوع خاص و عام نہیں۔ ایران، ترکستان، تاتار، افغانستان اور ہندوستاں میں ان دونوں کتابوں کی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

تعلیم ساڑھے چھ سو برس سے برابر جاری ہے۔ بچپن میں ان کتابوں کی تعلیم شروع ہوتی ہے اور بڑھاپے تک مطالعہ کا شوق رہتا ہے۔ لاکھوں استادوں نے انہیں پڑھایا اور کروڑوں شاگردوں نے انہیں پڑھا۔ ان کے بیشمار نسخے خوش نویسوں کے قلم سے لکھے گئے اور بے انتہا ایڈیشن لوہے اور پتھر پر چھاپے گئے۔ مشرق اور مغرب کی اکثر زبانوں میں ان کے ترجمے ہوئے۔ مشائخ اور علماء نے ان کی عزت کی، بادشاہوں نے ان کو سلطنت کا دستور عمل بنایا۔ منشیوں اور شاعروں نے ان کی فصاحت اور بلاغت کے آگے سر جھکایا اور ان کے تتبع سے عاجز رہنے کا اقرار کیا۔ ان کا نام جس طرح ایشیا میں مشہور ہے اسی طرح یورپ میں بھی عزت سے لیا جاتا ہے"

اس لئے ڈائریکٹر ایجوکیشن کو چاہئے جب نیا نصاب ترتیب دیں تو شیخ سعدی کے کلام کو ضرور یاد رکھیں، تاکہ ہماری نئی نسل بھی اخلاقیات کے رس سے آشنا ہو جائے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کشمیر میں سنسکرت شعریات کا سرمایہ

دنیا کی قدیم ترین زبانوں کی شعریات میں جو سب سے قدیم فکری سرمایہ ہمیں دستیاب ہے وہ یونانی اور سنسکرت شعریات کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ان دونوں زبانوں نے اپنے اپنے علاقوں کی دوسری زبانوں پر عموماً گہرے اثرات مرتب کیے۔ یہاں تک کہ جدید شعریاتی نظریات کے پس پشت بھی ان دونوں شعریات کی فکر عمل پذیر رہی ہے۔

• سنسکرت شعریات کی باقاعدہ نظریاتی بحث آچاریہ بھرت کے ناٹیہ شاستر سے شروع ہوئی۔آچاریہ بھرت اور ان کے بعد کے آچاریوں نے چھ شعریاتی دبستانوں کی بنیاد ڈالی اور انہیں استحکام بخشا۔سنسکرت شعریات کو زرخیز بنانے میں وادیٔ کشمیر کے سنسکرت علماء نے بہت اہم رول ادا کیا۔ان علماء میں آنند وردھن ،ابھنو گپت ،اُدبھٹ ،وامن ،رودر بھٹ ،اور مکل بھٹ وغیرہ نے سنسکرت شعریات پر جس زاویہ نگاہ سے غور وخوض کیا وہ آچاریہ بھرت اور ان کی طرح غیر کشمیری آچاریوں کی تشریحات سے قدرے مختلف تھا۔اردو اور سنسکرت کے عالم عنبر بھرائچی نے ''سنسکرت شعریات'' میں تفصیل سے پورے سنسکرت زبان وادب کا احاطہ کرتے ہوئے کشمیر میں لکھے گئے سنسکرت شعریات کو بھی ملحوظ نظر رکھا ہے۔جن میں کشمیری سنسکرت علماء کے چھے صدیوں پر مشتمل علمی سرمایے کو سراہاتے ہوئے تفصیل سے لکھا ہے اس کی تلخیص یوں ہے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

چھٹی صدی عیسویں میں النکار دبستان کے بانی آچاریہ بھامہ نے ’’کاویالنکار‘‘ تصنیف کی۔ آٹھویں صدی عیسویں آچاریہ اُد بھٹ نے ’’کاویا لنکار سارسنگرہ‘‘ اور ریت کے نظریہ ساز آچاریہ وامن نے ’’کاویالنکار سوتر‘‘ لکھی۔ نویں صدی میں رُدرٹ نے ’’کاویالنکار‘‘ رُدر بھٹ نے ’’شرنگار تلک‘‘ اور دھون کے نظریہ ساز آچاریہ آنند وردھن نے چار کتابیں ’’دھونیا لوک ورت، ارجن چرت، وشے وان اور دیوی شتک‘‘ قابل ذکر ہیں۔ دسویں صدی میں مُکل بھٹ نے ’’ابھدھاورت ماترکا‘‘ اور سنسکرت کے معروف شارح ابھنوگپت نے چھے مشہور کتابیں تالیف کیں۔ جن میں بھرت کے ناٹیہ شاستر کی شرح ’’ابھنو بھارتی‘‘، دُھونیا لوک کی شرح ’’دُھونیا لوک لوچن‘‘، بھٹ توت کی کاویہ کوستُبھ کی شرح ’’ کاویہ کوستبھ وورن‘‘، ایشور پرتیہ بھگیاومرشنی (فلسفہ)، مالنی وجے وارتک (فلسفہ) اور پرمارتھ سار (فلسفہ) ہیں۔ گیارہویں صدی میں ادچتیہ نظریہ کے بانی آچاریہ شیمیندر نے تین کتابیں ’’سورتِ تلک، کوکنٹھا بھرڑ اور ادچتیہ وچار چرچہ‘‘ لکھیں۔ وکروکت کے نظریہ ساز آچاریہ مہم بھٹ نے ’’ویکت وویک‘‘، آچاریہ دھارانریش بھوج نے ’’سرسوتی کنٹھا بھرراور شرنگار پرکاش‘‘ اور آچاریہ ممٹ نے ’’کاویہ پرکاش‘‘ کی ستر شرحیں لکھیں۔ بارہویں صدی میں آچاریہ رُیّک نے بارہ کتابیں تالیف کیں۔ جن میں ’’النکار سروسو‘‘، کاویہ پرکاش کی شرح ’’کاویہ پرکاش سنکیت‘‘، ویکت ودیک وچار (یہ مہم بھٹ کی تصنیف ویکت ودیک کی شرح ہے)، ناٹک میمانسا، النکار انسارنی، ساہتیہ میمانسا، سہروے لیلا اور النکار منجری، النکار وارتک، ہرش چرت وارتک، شری کنٹھ ستو اور برہتی ہیں۔ آچاریہ شوبھاکرمتر نے ’’النکار رتناکر‘‘ آچاریہ ہیم چندر (یہ جین تھے) نے ’’کاویا نشاسن‘‘، رام چندر گن چندر نے ’’ناٹیہ درپڑ‘‘ داگ بھٹ (جین آچاریہ) نے ’’داگ بھٹا لنکار‘‘ اور آچاریہ جے دیو نے ’’چندرالوک (اس کی متعدد شرحیں لکھی گئیں)‘‘ قابل ذکر ہیں۔

✿✿✿

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

شعر چیزے دیگر است

میرے استاد محترم جاوید آذر صاحب اکثر کہا کرتے ہیں کہ جب دیہات میں کوئی میٹرک پاس کر لیتا تھا، تو وہ اپنے نام کے ساتھ تخلص جوڑنا اپنا منصبی فریضہ سمجھتا تھا۔ شاید اس لئے کہ اُس دور میں شعر و شاعری کو اچھی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ سخن شناسی اور شعر فہمی کے عادات و اطوار گھر کے ماحول میں ہی پروان چڑھتے تھے۔ بچوں کو اشعار یاد کرنے پر انعام سے نوازا جاتا، جس سے تلفظ اور روزمرہ لاشعوری طور پر سدھر جاتا۔ اس کے برعکس آج کے دور میں جس نے بھی اردو کے حروف تہجی سیکھے، وہ شاعر بننے کی خو میں لگا رہتا ہے۔ اس پر طرہ یہ ہے شاعری کی حروف ابجد سے ناواقف ہونے کے باوجود خود کو بڑا شاعر مانتا ہے۔ فارسی میں شاعری کے متعلق مشہور قول ہے کہ ''شعر چیزے دیگر است''۔ اسی لئے کہا جاتا ہے اگر آپ کسی فن میں کارنامہ انجام دینا چاہتے ہیں تو یہ ضروری ہے کہ آپ اس فن کے اسرار و رموز پر قدرت حاصل کریں۔ ایک نو وارد شاعر کی تربیت کرتے ہوئے فارسی زبان و ادب کے جید عالم امیر کیکاؤس نے اپنی شاہکار کتاب ''قابوس نامہ'' میں شاعر کے اوصاف پر بھی بات کی ہے جس کی مختصر تلخیص یوں ہے۔

اگر تم شاعر بننا چاہتے ہو تو کوشش کرو کہ تمہارا کلام سہل ممتنع ہو اور گاڑھے گٹھل کلام سے پرہیز کرو اور ایسی بات نہ کہو جسے صرف تم جانتے ہو اور کوئی دیگر شخص اس سے واقف نہ ہو اور جس کی شرح ضروری ہو جائے۔ کیونکہ شعر دوسروں کی خاطر کہا جاتا ہے، نہ

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کہ اپنے لئے۔اور خالی خولی قافیہ اور وزن پر قناعت نہ کرو لیکن صناعت اور تہہ داری کے بغیر شعر نہ کہو۔ کیونکہ سیدھا سادہ شعر ناپسند ہوتا ہے۔ پھر اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارا کلام اعلیٰ ہو اور دیرپا ہو تو بیشتر ایسا کلام کہو جو استعارے پر مبنی ہو اور استعارہ ایسا ہو جو مبنی بر ممکنات ہو۔اگر غزل اور رباعی کہنا ہے تو سہل اور لطیف کہو ،اور ایسے قافیوں کے ساتھ کہو جو معروف ہو۔ ٹھس عروضی اور بھاری شعر نہ کہو، کیونکہ عروض اور بوجھل اوزان کے پیچھے وہی بھاگتا ہے جس کا مزاج شعر کے لئے موزوں نہیں ہوتا ہے اور جو عمدہ معنی اور خوب صورت الفاظ پر قادر نہیں ہوتا۔علم عروض حاصل کرو اور علم شاعری و تنقیدِ شعر بھی سیکھو تا کہ اگر شعراء میں کوئی مناظرہ برپا ہو، یا کوئی تم سے کچھ پوچھے یا تمہارا امتحان کرنا چاہے، تو تم معذور نہ ٹھہرو۔

پھر یہ بھی ہے کہ ہر وہ چیز جسے نثر میں بیان کرتے ہیں اسکو شعر میں بیان کرو، کیونکہ نثر مثل رعیت ہے اور نظم مثل بادشاہ۔ جو کام بادشاہ کے شایانِ شاں ہیں وہ رعیت کے شایاں نہیں ۔غزل اور رباعی کو چمک دمک سے بھرپور بناؤ۔ بات کہنے میں قوی، دلیر اور بلند ہمت بنو، اس بات کو خوب سمجھ لو کہ کس شخص کے لئے کیا مناسب ہے جس نے کبھی چھری بھی کمر میں نہ باندھی ہو اس کے بارے میں یہ نہ کہو کہ تیری تلوار شیروں کو مار گراتی ہے اور تو اپنے نیزے سے کوہ بے ستوں کو اکھاڑ دیتا ہے۔اور جو کبھی گدھے پر بھی نہ بیٹھا ہو اس کے گھوڑے کو رخش اور شبدیز کے مانند مت لکھو۔

اور دیکھو جب تم میدان شعر میں نووارد ہو تو دوسروں کے کلام کے گرد چکر نہ مارو، لیکن جب تمہاری طبیعت کھل جائے اور میدان شعر تم پر فراخ ہو جائے اور تم شاعری پر قادر ہو جاؤ اور تمہاری طبیعت کھل چکی ہو اور تم ماہر ہو چکے ہو۔تب تو تم یہ کر سکتے ہو کہ کسی جگہ اگر تم نے کوئی نامانوس مضمون یا معنی سنا اور وہ تم کو پسند آیا، تو اگر تم چاہو تو اسے لے اور اسے کسی جگہ پر استعمال کر لو۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

کشمیریوں کے متعلق عام تاثر یہ ہے کہ یہاں لوگوں کو کھانے کے سوا کچھ نہیں آتا، اگر چہ اس مفروضے میں کوئی سچائی نہیں ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ یہاں ایسے نابغۂ روزگار حضرات پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے پورے برصغیر میں نام کمایا ہے۔ ان ہی خداداد صلاحیت رکھنے والوں میں علامہ انور شاہ کاشمیری سرفہرست ہیں۔ علامہ سے کون واقف نہیں۔ ان کے کارناموں سے دفتروں کے دفتر بھرے پڑے ہوئے ہیں۔ ان کو ''بخاری وقت'' اور ''ابوحنیفہ ثانی'' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ ذہانت اور یادداشت کا یہ عالم کہ جس تحریر کو ایک مرتبہ دیکھا، اس کا متن دوبارہ دیکھنے کی نوبت نہیں آئی، بعض عالموں نے ان کو ''چلتی پھرتی لائبریری'' اور ''اسلامی انسائیکلوپیڈیا'' سے بھی موسوم کیا ہے۔

علامہ کے متعلق ایک واقعہ بہت ہی مشہور ہے۔ جب مصر کے معروف عالم دین علامہ رشید رضا ہندوستان میں ایک علمی دورے پر آئے، تو وہ یہاں کے علمی اداروں کی ناگفتہ بہ حالت زار دیکھ کر کبیدہ خاطر ہوئے۔ جب کسی نے دیوبند آنے کی دعوت دی، تو پہلے انہوں نے سرد مہری کا اظہار کر کے فرمایا کہ یہاں علم کی بُو بھی موجود

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

نہیں، تو دیوبند میں کیا ملے گا۔ بہت اصرار کرنے پر وہ دیوبند کا دورہ کرنے کے لئے آمادہ ہوئے، ان کی حیرت کی انتہا نہیں رہی جب وہاں علامہ انور شاہ صاحب نے ''مسلک حنفیہ اور اصول اساسی'' کے موضوع پر فصیح عربی میں مدلل و مفصل تقریر کی۔ علامہ رشید رضا انور شاہ کی تقریر سے اتنے متاثر ہوئے کہ ان کے منہ سے بار بار یہی جملے ادا ہوتے ''بخدا میں نے اس مرد کی مانند کسی کو کبھی نہیں دیکھا ہے''۔ جب علامہ رشید رضا نے مصر میں اخباری کانفرنس دی تو انہوں نے اعلانیہ میں اس بات کا اقرار کیا کہ اگر میں دیوبند نہ جاتا اور مولانا انور شاہ کاشمیری سے نہ ملتا تو میں ہندوستان سے نہایت مایوس واپس لوٹتا۔ دیوبند میں رہ کر مجھے اس بات کا یقین ہوگیا کہ یہاں علوم عربیہ اور تعلیمات مذہبیہ اعلیٰ پیمانہ پر موجود ہیں۔

شاہ صاحب کی زیرکی اور دانائی بہت مشہور تھی۔ ایک دفعہ وہ سبق پڑھا رہے تھے کہ کہنے لگے ''چلو اپنے گھر کا راستہ لو، بھائی شمس الدین ہی چلے گئے ہیں۔ پڑھنے والوں نے حیرانی سے پوچھا کہ کون شمس الدین؟ تو ڈوبتے ہوئے سورج کی طرف اشارہ کرکے کہا'' جاہلو دیکھتے نہیں وہ بھائی شمس الدین رخصت ہورہے ہیں۔ اندھیرے میں پڑھ کر کیا کروگے اس میں تو لطف نہیں آئے گا''۔ کہتے ہیں ایک استاد کی صحیح پرکھ اور پہچان اس کا شاگرد ہی کرسکتا ہے، کیونکہ شاگرد ہی استاد کو زیادہ قریب سے دیکھتا ہے۔ شاہ صاحب کے لایق و فائق شاگرد رشید شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی اپنے استاد کے متعلق یوں فرماتے ہیں:

> ''اگر ہماری آنکھوں نے شاہ صاحب کا مثل نہیں دیکھا تو یقین ہے کہ شاہ صاحب کی آنکھوں نے بھی شاہ صاحب کا مثل نہیں دیکھا۔ وہ امام ابوالحسن کی زبان اور ترجمان ہیں اور اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ تم نے شیخ تقی الدین ابن دقیق السعید اور حافظ ابن حجر عسقلانی کو دیکھا ہے تو میں کہہ دوں گا کہ میں نے انور شاہ کی ذات میں سب کو دیکھا ہے''۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

علامہ اقبال کو جن دو شخصیتوں کا زیادہ احترام تھا ان میں علامہ سید سلیمان ندوی اور علامہ انور شاہ کاشمیری قابل ذکر ہستیوں میں شمارے ہوتے ہیں۔ اقبال شاہ صاحب کی کتابوں کو نہایت دلچسپی اور غور فکر سے پڑھتے تھے، ان کی خواہش تھی کہ وہ شاہ صاحب کے ساتھ مل کر فقہ جدید کی تدوین عمل میں لائیں۔ جب شاہ صاحب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو نہایت ہی ملول ہوئے، اور ایک تعزیتی نشست میں صاف طور پر کہا کہ ''اسلام کی ادھر پانچ سو سالہ تاریخ شاہ صاحب کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے''۔ اور آخر پر اپنی تقریر کا اختتام اس شعر پر کیا۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

گردِ شہرت کو بھی دامن سے لپٹنے نہ دیا

علم نفسیات کے ماہرین کا ماننا ہے کہ انسان کو سمجھنا سب سے بڑا مشکل اور دشوار عمل ہے۔ کیونکہ معمولی سی خوشامد سے ایک انسان کا دماغ ساتویں آسمان پر اُڑنے لگتا ہے، دماغ میں معمولی سا خلل پیدا ہو جائے تو دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتا ہے اور اگر دنیا کی حقیقت سمجھ میں آجائے تو نام ونمود سے کوسوں دور بھاگ جانے میں عافیت محسوس کرتا ہے۔ غرض ہر طبقہ کے لوگوں کے معاملات مختلف ہونے کے باوجود یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ اکثر و بیشتر ایک انسان چاہتا ہے کہ لوگ اس کو سب سے بہتر تصور کریں۔ یہاں تک کہ عظیم انسانوں میں شمار کریں۔ اسی نوعیت کا ایک دلچسپ واقعہ اردو کے ایک جینوئن شاعر حسن نعیم نے فراق گورکھپوری کے متعلق مظفر حنفی کو اپنے ایک ذاتی انٹرویو بیان کیا ہے۔ جو مظفر حنفی کی کتاب ''باتیں ادب کی'' میں شامل ہے۔

ایک بار فراق گورکھپوری صاحب نے مجھے سرفراز کیا۔ وہ ہمارے یہاں ایک مشاعرے میں آئے تھے۔ اُن کی اپنے میزبان سے کچھ ناراضگی ہوگئی اور ہمارے یہاں قیام فرمایا۔ ان دنوں میں کارنواس روڈ، انڈیا گیٹ کے قریب رہتا تھا اور اس وقت کے وزیر خارجہ ڈاکٹر سید محمود کا سکریٹری تھا۔ ظاہر ہے اس وقت میرے ایسے کچھ ذرائع بھی تھے کہ فراق صاحب کو انٹرٹین بھی کرسکتا تھا۔ ویسے میں آپ کو بتادوں کہ میرا جو خاندانی پس منظر ہے، بالکل مشرقی اور نہایت صوفیوں کا خاندان ہے۔ ہمیں بہت دیر میں یہ بات سمجھ میں آئی ہے کہ یہ دنیا لین دین کی جگہ ہے یعنی ایک ہاتھ سے لینا اور دوسرے سے ہاتھ سے دینا ہے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

چناچہ فراقؔ صاحب نے مجھ سے کہا کہ میں نے سُنا ہے آپ کا شعری مجموعہ تیار ہورہا ہے میں چاہتا ہوں کہ اس کا مقدمہ میں لکھوں، پھر انہوں نے بتایا کہ وہ کیا لکھنے والے ہیں، غرض میرے دل میں بھی ایک لالچ سا آیا کہ واقعی اگر فراقؔ صاحب یہ سب میرے بارے میں لکھیں گے تو میں بہت مشہور ہوجاؤں گا۔ ویسے انہوں نے دوسرے لفظوں میں یہی فرمایا تھا کہ ''میرے (فراقؔ صاحب کے) علاوہ (اہم شاعر) یگانہؔ چنگیزی کے بعد آپ ہیں۔ اور انہوں نے کہا کہ آپ اپنا مسودہ لے کر الہ آباد آجایئے، چناچہ میں الہ آباد گیا تو فراقؔ صاحب بہت اخلاق سے پیش آئے۔ خصوصی طور پر کھانے میں گوشت کی بہت مخصوص ڈشز تیار کرائیں۔

فراق صاحب سے یہ بات طے ہوئی تھی میں وہاں دو دن قیام کروں گا اس دوران وہ میرا مسودہ پڑھیں گے اور مجھے مقدمہ لکھ کر دیں گے۔ ویسے میں کتابت شدہ مسودہ اُن کے پاس لے گیا تھا۔ ''حرفِ دل'' میرے مجموعے کا نام قرار پایا تھا۔ لیکن پہلی شام فراقؔ صاحب کی شاعری سننے کی نذر ہوگئی۔ یہاں تک کہ دوسرے دن بھی مجموعے کا کوئی ذکر نہیں آیا اور وہ اپنے اشعار سناتے رہے۔ پھر دوسری شام آئی۔ اس دوران انہوں نے مجھ سے یہ بھی نہیں کہا کہ ایک دو شعر تم بھی سنا دو۔ تیسرے دن صبح میں، جب وہ ڈھائی ہزار اشعار سُنا چکے تھے اپنے۔ تو انہوں نے پوچھا'' آپ کا کیا خیال ہے؟ اُردو کا سب سے بڑا غزل گو کون ہوا ہے؟''

میں نے کہا۔ فراقؔ صاحب! اس ضمن میں کچھ اختلافات ہیں لوگوں میں۔ لیکن میں ذاتی طور پر میرؔ اور غالبؔ کو اولیت دیتا ہوں، اس کے بعد میں ان کے چہرے کا رنگ دیکھا تو ایسا لگا کہ دونوں نام سُن کر انہیں کوئی مسرت نہیں ہوئی۔ بہر حال، میرے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ اس کے بعد کیا مسئلہ ہوسکتا ہے۔ غرض یہ کہ انہوں نے کہا'' اچھا تین بڑے شعراء کا نام لیں''۔ تو میں نے کہا، تین میں تو بعض اقبالؔ

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کو بھی شامل کرلیں گے۔لیکن انہوں نے غزل گو کی حیثیت سے سوال کیا تھا تو میں نے کہا۔کچھ لوگ مومنؔ کو بہت پسند کرتے ہیں میں خود مومنؔ کا عاشق ہوں لیکن میں ذاتی طور پر دردؔ کو اہم سمجھتا ہوں۔پھر وہ جھنجھلا کر بولے ''اچھا، پانچ سب سے بڑے غزل نگاروں کا آپ نام لیجئے''۔میرا جوب سن کر جب تسلی نہیں ہوئی تو انہوں نے اپنی فہرست بڑھا کر دس تک کی۔تو دس میں بھی میں نے ان کا نام نہیں لیا۔تو انہوں نے فرمایا کہ ''اسی سخن فہمی اور سخن دانی کی بنیاد پر آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ کے مجموعے کا مقدمہ لکھوں؟''۔چناچہ میں نے ان سے رخصت لی اور قدرے بددل ہوا کہ ''حرفِ دل'' کے مسودے کو بھی ضائع کردیا۔حالانکہ ''صبا'' حیدرآباد میں اسکا اشتہار بھی نکل چکا تھا اور اسکی کتابت پر خاصی محنت کی گئی تھی۔میں اس قدر بددل ہوا تھا کہ ایک عرصہ تک میں نے شعر نہیں کہے،اس کے ردِعمل میں غزل کہی جس کا یہ شعر بہت مشہور ہوا۔

گردِ شہرت کو بھی دامن سے لپٹنے نہ دیا
کوئی احسان زمانے کا اُٹھایا ہی نہیں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

مہجورؔ اور جدید تاریخ کشمیر

۲۰۰۵ء کی بات ہے کہ میں مزاحمتی ادب کے حوالے سے مواد جمع کر رہا تھا کہ مجھے روزنامہ ''خدمت'' کی پرانی اور بوسیدہ فائلیں دیکھنے کا اتفاق ہوا، اخبار کا کاغذ اتنا بوسیدہ ہو چکا تھا کہ ہاتھ لگانے سے کاغذ مسک جاتا تھا۔ بہت مشکل سے میں ۱۹۳۹ء سے ۱۹۶۰ء تک کی فائلیں دیکھنے میں کامیاب ہوا۔ جہاں مجھے مزاحمتی ادب کے حوالے سے کچھ زیادہ مواد تو نہ ملا، البتہ مہجور کا ایک اشتہار پڑھنے کو ملا۔ جس میں انہوں نے جدید تاریخ کشمیر لکھنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ اصل میں مہجور کو تاریخ کشمیر لکھنے کی طرف علامہ اقبال نے متوجہ کیا۔ علامہ اقبال کو کشمیر سے والہانہ محبت تھی اس لئے وہ چاہتے تھے کہ ''تذکرۂ شعراء کشمیر'' لکھا جائے۔ اس سلسلے میں علامہ نے کئی اصحاب کو تحریک دینے کی کوشش کی تھی، جب مہجور نے ''تذکرۂ شعراء کشمیر'' لکھنے کی خواہش ظاہر کی تو علامہ اقبال ۱۲ مارچ ۱۹۲۳ء کو مہجور کو ذاتی خط لکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں چاہتا ہوں کہ کوئی تذکرۂ کشمیر لکھنے کی طرف مائل ہو جائے۔ مگر افسوس کوئی اس طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ اللہ آپ کے ارداوں میں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

برکت دے۔

''افسوس کہ کشمیر کا لٹریچر تباہ ہوگیا۔اس تباہی کا باعث زیادہ تر سکھوں کی حکومت اور موجودہ حکومت کی لاپروائی اور نیز مسلمانان کشمیر کی غفلت ہے، کیا یہ ممکن نہیں کی وادی کشمیر کے تعلیم یافتہ مسلمان اب بھی موجودہ لٹریچر کی تلاش وحفاظت کے لئے ایک سوسائٹی بنائیں۔ہاں تذکرہ شعرائے کشمیر لکھتے وقت مولانا شبلی کی شعرالعجم آپ کے پیش نظر رہنی چاہیئے۔محض حروف تہجی کی ترتیب سے شعراء کا حال لکھ دینا کافی نہیں ہوگا، کام کی چیز یہ ہے کہ آپ کشمیر کے فارسی شعراء کی تاریخ لکھیں۔ مجھے یقین ہے کہ ایسی تصنیف نہایت بارآور ہوگی اور اگر کبھی خود کشمیر کی یونیورسٹی بن گئی تو فارسی زبان وادب میں اس کو کورس میں رکھنا یقینی ہے''۔

مہجور نے اقبال کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے باضابطہ تذکرۂ کشمیر لکھنے کا خاکہ بنایا، اس سلسلے میں انہوں نے روزنامہ ''خدمت'' میں ۱۵ جولائی ۱۹۴۸ء میں ایک اشتہار بھی بعنوان ''جدید تاریخ کشمیر'' شائع کیا۔

''میں نے اردو زبان میں کشمیر کی ایک جدید، مستند مکمل تاریخ، آفرینش کشمیر سے لے کر عہد حاضر تک مرتب کرنے کا کام شروع کردیا ہے۔کشمیر کا تعلیم یافتہ طبقہ یوں تو تاریخ عالم سے واقف ہے۔تاریخ یورپ ان کو زبانی یاد ہے مگر اپنی جنم بھومی کی تاریخ سے وہ مطلق ناآشنا ہیں۔حالانکہ اس ملک (کشمیر) کی تاریخ ہر پہلو سے شاندار ،دلچسپ، حوصلہ افزا اور قابل فخر ہے جب ملک میں کوئی جامع اور مکمل تاریخ کسی مروجہ زبان میں موجود ہی نہیں، تو واقفیت کہاں سے حاصل کریں گے۔سال ۴۸/۴۷ء کے غیر متوقع انقلابات کشمیر نے اہل عالم کو تاریخ کشمیر کی طرف خاص طور پر متوجہ کردیا ہے۔قبل اس کے کہ میں اس جدید تاریخ کا مسودہ لکھنا شروع کروں، میں اپنے وطن کے علم دوستوں اور ادب نوازوں کو اپیل کرتا ہوں۔اگر کسی صاحب کے پاس کوئی تاریخی کتاب یاداشت ماضی قریب یا ماضی بعید کی ''خطۂ کشمیر کے متعلق'' موجود ہو۔تو از راہ کرم مجھے دکھانے کی تکلیف برداشت کریں۔بعد ملاحظہ نہ صرف اصل کتاب یاداشت ہی واپس کروں گا، بلکہ اصل کتاب میں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

شکریہ میں ان کا نام درج کر کے شائع ہونے پر ایک ایک کاپی مفت ان کی خدمت میں پیش کی جائیگی۔اس سلسلہ میں '' شاہی فرامین،سندات ،قبالہ نامہ جات ،پنڈ جات ،خطوط ،سکہ جات ،جواہرات ،ظروف اور بعض ایشائے عہد قدیم بھی تاریخی حیثیت رکھتے ہیں۔ان سے بھی استفادہ کیا جائیگا۔

مخلص

مہجور کاشمیری

متری گام،ڈاک خانہ پلوامہ کشمیر

کاش مہجور اپنے خاکے کا رنگ بھرنے میں کامیاب ہوتے ،تو آج شعراء کشمیر کے حوالے سے ایک دلچسپ اور مفید تاریخ پڑھنے کو ملتی۔اس سلسلے میں ماہرین مہجور بہتر طور پر کہہ سکتے ہیں کہ مہجور نے اپنا منصوبہ کہاں تک مکمل کیا تھا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اب دیکھنے کو جن کے آنکھیں ترستیاں ہیں

رواں ہفتہ میں اردو زبان وادب کی دو مشہور ومعروف ہستیاں قرۃ العین حیدر اور گیان چند جین اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گئے۔ دونوں بسیار نویس تھے، آخر تک لکھتے رہے، ادب میں خوب نام کمایا، عزت پائی۔ ایک نے افسانہ وناول میں اور دوسرے نے تحقیق ولسانیات میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ ایک نے ادب کو ''آگ کا دریا'' جیسا شہکار ناول دیا اور دوسرے نے ''ایک بھاشا: دو لکھاوٹ، دو ادب'' جیسی متنازیہ فیہ کتاب عنایت کی۔ ایک بات طے ہے دونوں کا ریاست جموں وکشمیر سے کچھ نہ کچھ تعلق ضرور تھا۔ قرۃ العین حیدر نے اپنے مشہور سفر نامہ ''کوہِ دماوند'' میں خصوصاً کشمیر کے حوالے سے ایک باب رقم کیا ہے۔ اور گیان چند جین جموں یونیورسٹی میں پہلے صدر شعبۂ اردو کے حیثیت سے سالہاں سال وابستہ رہئے۔ نیز کلچرل اکیڈمی نے ان کی ایک تصنیف ''تفسیر غالب'' بھی شائع کی ہے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

قرۃ العین حیدر نے ''کوہِ دماوند'' تحریر کرتے ہوئے تاریخ کا بغور مطالعہ کیا ہے، کہیں کہیں تاریخی طور پر مصنفہ سے تسامح ہوا ہے لیکن پھر بھی انہوں نے اپنے اسفار کو دلچسپ بنانے کے لئے فکشن کا بھرپور سہارا لیا ہے۔ کشمیر کے حالات و واقعات کی تصویر کشی یوں کی ہے۔

کشمیر کے حالات کبھی یکساں نہیں رہے، قطعِ سیلاب، چوبی مکانوں کی آتشزدگی، حکام اور بادشاہوں کے مظالم، نرم مزاج اور جفاکش (بقول اقبالؔ، زیرک ادراک، خوش گل) قوم نے کم از کم تاریخ کے دو ہزار سال میں تمام آفات سماوی وارضی کو نہایت صبر سے جھیلا ہے۔ انحطاط سلطنت مغلیہ ۱۸۵۳ء میں کشمیر پر احمد شاہ درانی نے تسلط جمایا۔ ۱۸۱۶ء میں سکھوں نے۔ ع

قوم سکھاں وارد کشمیر شُد

کشمیر پر پٹھان، خالصہ اور ڈوگرہ راج کے مظالم ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔

پرسیدم از خرابیٔ گلشن زباغباں
افغاں کشید و گفت کہ افغاں خراب کرد

ادھر جموں کے یہاں گلاب سنگھ نے اپنے آقا سلطان خاں کو رنجیت سنگھ کے حوالے کیا، صلے میں سکھ فوج میں عہدہ پایا۔ ڈوگرہ بغاوت فرو کرنے کے صلے میں رنجیت سنگھ نے ۱۸۲۰ء میں جموں گلاب سنگھ کو جاگیر میں دے دیا، جب انگریزی فوج جلال آباد میں تھی۔ گلاب سنگھ نے انگریزوں کی مدد کی۔ ۱۸۴۶ء میں سکھوں کے خلاف جنگ میں بھی انگریزوں کا ساتھ دیا۔ اس وفاداری کے انعام میں ۱۶ مارچ ۱۸۴۶ء کے روز امرتسر میں انگریزوں نے کشمیر مبلغ ۷۵ لاکھ نانک شاہی میں گلاب سنگھ کے ہاتھ بیچ دیا۔

بقول اقبال ؎

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

دہقاں وکشت وجوئے خیاباں فروختند

قومے فروختند وچہ ارزاں فروختند

قرۃ العین حیدر نے اپنا پہلا ناول ''میرے بھی صنم خانے '' انیس سال کی عمر میں لکھا، جس کو کشمیر یونیورسٹی نے ایم۔اے کے نصاب میں رکھا تھا۔ بسیار تلاش کے بعد بھی یہ ناول پڑھنے کے لئے نہیں ملا، جس کا مجھے آج بھی افسوس ہے۔ اور گیان چند جین کی آخری کتاب پڑھ کر بھی مجھے افسوس ہوا کہ انہوں نے اخیر وقت میں ایسی کتاب کیوں لکھی۔ بہر حال جیسے بھی تھے اردو ادب میں نابغہ کی حیثیت سے زندہ رہے، یہ بات طے ہیں کہ اب آنکھیں ایسی ہستیوں دیکھنے کے لئے ترس جائیں گی۔

شاید میر فتح علی شیدا نے ایسی ہی کسی صورت حال کا مشاہدہ کرتے ہوئے کہا ہوگا۔

وے صورتیں الٰہی کس ملک بستیاں ہیں

اب دیکھنے کو جن کے آنکھیں ترستیاں ہیں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کاش مہاراجہ رنبیر سنگھ کی خواہش پوری ہوتی!

ہر ملک اور قوم کی اپنی ایک جامع تاریخ ہوتی ہے جس میں تہذیب وتمدن، رسم ورواج اور زبان وادب کی مفصل کا جانکاری درج ہوتی ہے۔اس کے علاوہ اس میں حالات وواقعات کے اتار چڑاؤ کو بھی رقم کیا جاتا ہے تاکہ بعد میں آنے والی نسل اس سے بھرپور استفادہ کر سکے۔ایک مورخ جب پچھلے زمانے کی تاریخ رقم کرنے کا ارداہ کرتا ہے تو وہ اس زمانے کے بنیادی ماخذات کو کھنگال کر حالات و واقعات کو ایک لڑی میں پرونے کی کوشش کرتا ہے۔تاکہ تاریخ دلچسپ بنے۔ایک ہی زمانے میں کئی مؤرخین ہوتے ہیں جو گذشتہ ادوار میں پیش آئے ہوئے واقعات کو اپنے نظریے سے پیش کرتے ہیں۔اسی لئے ایک واقعہ تاریخ کے اوراق میں مختلف انداز سے ملتا ہے۔لیکن وہی تاریخ دلچسپی کے ساتھ پڑھی جاتی ہے، جس میں مورخ نے منفرد اسلوب اختیار کیا ہو، جو واقعات کو دلچسپی کے ساتھ لکھتا ہے کہ گماں ہوتا ہے کہ مورخ ان سب واقعات کا چشم دید گواہ ہے، اسی طرح کی ایک دلچسپ تاریخ محمد حسین آزاد نے ''دربارا کبری'' کے نام سے لکھی۔جو اتنی مشہور ہوئی کہ مہاراجہ رنبیر سنگھ کو ڈوگرہ حکومت کی تاریخ لکھوانے کا خیال آیا۔اپنے اس خیال کو حقیقت کا جامہ پہنانے کیلئے اس نے اپنے خاص وزیروں کی توسط سے محمد حسین آزاد تک اپنی خواہش کا اظہار کیا، کہ جس طرح آپ نے مغل دور کی تاریخ ''دربارِاکبری'' لکھی۔اسی طرز پر ڈوگرہ حکومت کی تاریخ لکھیں۔اس کام کے صلے میں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بڑے سے بڑا لالچ بھی دیا گیا لیکن محمد حسین آزاد نے یہ ذمہ داری لینے سے صاف انکار کردیا۔ اس واقعہ کا ذکر انہوں نے میجر سید حسن بلگرامی کو ۱۸ اپریل ۱۸۸۲ء کو اپنے ایک ذاتی خط میں کیا، جو ''مکاتیب آزاد'' میں درج ہے۔

''ایک مہینہ سے زیادہ ہوا کہ جموں سے ایک دوست کا خط آیا۔ اس میں لکھا تھا مہاراجہ صاحب ایک تاریخ لکھوانا چاہتے ہیں، جس میں عام سلاطین کے حالات ہوں مگر زور اس بات پر ہو کہ سلطنت اس خاندان میں کیونکر اور کن کن اسباب سے آئی اور کن کن سببوں سے گئی، مثلاً بادشاہ کی بے پروائی یا عیاشی یا بدانتی وغیرہ یا ارکان دولت کی بے لیاقتی یا نمک حرامی سے۔ مجھے لکھا تھا کہ تم اس کام کا ذمہ لو اور لکھو کہ کیا تنخواہ لو گے۔ میں نے عدیم الفرصت کا عذر کر کے ٹال دیا۔ آٹھ دس دن ہوئے کہ وہ خود آئے کہ ان کی نوکری اختیار کرو تو کیا تنخواہ لو گے اور اس پر اصرار کیا۔ میں نے صاف جواب دے دیا اور انکار کیا۔ غالباً آپ کے نزدیک بھی مناسب نہ ہوگا۔ میری اپنی کتابیں ناتمام پڑی ہیں کہ لوگوں کی آنکھیں اور میری جان انہیں میں لگی ہے میں کسی کی کتاب لکھوں، طمع کا منہ کالا''۔

اگر محمد حسین آزاد نے مہاراجہ رنبیر سنگھ کی خواہش پوری کی ہوتی، تو یقیناً ڈوگرہ دور کے حوالے سے کشمیر کی ایک دلچسپ تاریخ پڑھنے کو ملتی، کیونکہ آزادؔ جس چیز کو لکھنے کا بیڑا اُٹھاتے تو اس کو حیات جاوید عطا ہوتی، جس کا بین ثبوت اُردو کی مشہور و معروف کتاب ''آب حیات'' ہے جو ہزار خامیوں کے باوجود بھی اردو زبان وادب کی تاریخ میں نقش اول کی حیثیت رکھتی ہے۔ بقول شبلی ''اگر آزاد گپ بھی ہانکے تو وحی معلوم ہوتی ہے''۔

۞۞۞

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

تخلیقی زندگی کے تین ادوار

شاعری انسانی جذبات، احساسات ، خیالات اور تجربات کا خوبصورت اظہار ہے۔ ہر شاعر چاہتا ہے کہ وہ اپنے خیالات و تجربات کو ایسے پیش کرے جیسے میرؔ، غالبؔ اور اقبالؔ نے پیش کیا۔ جبکہ ان شعراء کے مقام تک پہنچنے کے لئے ضروری ہے کہ ایک شاعر زندگی کو قریب سے دیکھے اور پرکھے، تاکہ تجربات میں پختگی ،خیالات میں کشادگی اور جذبات میں پاکیزگی آجائے۔ اس لئے ضروری ہے کہ شاعر اپنے تخلیقی سفر میں کشادہ نظری اور وسعت قلبی سے تخلیقی مدارج طے کرنے کی سعی کرے۔ غلام رسول مہرؔ نے احمد ندیمؔ قاسمی کے شعری مجموعہ ''دشتِ وفا'' کے دیباچہ میں تخلیقی زندگی کو تین ادوار میں تقسیم کیا۔

ا۔ پہلے دور میں تاثرات کی کمی نہیں ہوتی ،لیکن تمام تاثرات واضح اور نمایاں نہیں ہوتے ،آپ جانتے ہیں کہ ایک مشتاق رباب نواز کی مضراب تاروں پر سرگرم ورزش ہوتی ہے تو اس سے دلکش اور روح افروز نغموں کی لہریں اٹھنے لگتی ہیں۔ اس مضراب سے کوئی نوآموز کام لے گا تو تاروں سے آوازیں ضرور نکلیں گی ،مگر ان میں وہ ترتیب و تنظیم نہ ہوگی ،جس سے نغمے ترتیب پاتے ہیں۔

اسی طرح فکری صلاحیت ان تاثرات سے ٹھیک ٹھاک کام نہیں لے سکتی اور زبان پر بھی شاعر کو پوری قدرت حاصل نہیں ہوتی۔ غرض اس دور میں فطری شاعر بھی جو کچھ کہے گا ،وہ خامیوں سے پاک نہ ہوگا۔ خیالات واحساسات اتنے معین اور واضح نہیں ہوتے کہ دلوں پر پائدار اثر چھوڑیں یا ان میں اعلیٰ درجے کی گہرائی اور جاذبیت ہو۔ اسی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

طرح ہر خیال کے اظہار کے لئے موزوں الفاظ کا انتخاب ناپید نظر آئے گا۔ اس دور میں شاعر عموماً فکر واحساس کی کم مائیگی یا شعور کے ضعف و نارسائی کی تلافی الفاظ کی فراوانی سے کرتا ہے۔

۲۔ دوسرے دور میں فکر واحساس اور الفاظ واسلوب کے درمیان یک گونہ توازن پیدا ہو جاتا ہے۔ شاعر جو کچھ کہتا ہے، وہ معناً بھی قیمتی اور وزنی معلوم ہوتا ہے۔ اسلوب بیان میں بھی زیادہ صفائی، شستگی، روانی اور انجام نمایاں ہو جاتا ہے۔

۳۔ تیسرے دور کی شعر گوئی کو شاعر کی اصلی اور حقیقی شعر گوئی سمجھنا چاہئے۔ اس میں معنویت ایک بے پناہ سیل کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ الفاظ کی جامعیت بھی کمال پر پہنچ جاتی ہے۔ بہ ایں ہمہ الفاظ معانی کا ساتھ دیتے نظر نہیں آتے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ الفاظ کے جام وسبو معانی سے بھر کر چھلکنے لگتے ہیں اور سامعہ عرفی کے بیان کے مطابق کوثر و تسنیم کی لہروں میں تیرنے لگتا ہے۔ اس آخری دور کے شعروں پر آپ گہری نظر ڈالیں تو حیران رہ جائیں گے کہ شاعر نے شعر کے ایک ایک ٹکڑے میں متعدد پہلو کیونکر پیش نظر رکھ لئے۔ حالانکہ اسے شعر کہتے وقت ان تمام مختلف پہلوؤں کا واضح شعور ہی نہیں ہوتا۔ دل ودماغ میں شعر سے جو مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ بے قصد وارادہ شاعر کی فطری خصوصیتوں کے مطابق کارفرما رہتی ہے اور دل کی بات بے تکلف کہہ چکنے کے بعد شاعر کو اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک شعر میں کتنے دلآویز نکتے پیدا کر گیا۔

اکثر و بیشتر شعراء جلد بازی میں دوسرے دور میں ہی دَم توڑ بیٹھتے ہیں اس لئے ان کا کوئی خاص کارنامہ سامنے نہیں آتا۔ علامہ اقبال نے بھی خوب کہا ہے کہ ؎

نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام خونِ جگر کے بغیر

✿✿✿

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

سارے جہاں میں دھوم ہماری زبان کی ہے

''مقالہ تفصیل چاہتا ہے اور سمینار اختصار''، اس جملے کی معنویت کا اندازہ اس وقت ہوا جب شعبہ اُردو کشمیر یونیورسٹی نے اپنے پچاس سالہ سفر کی گولڈن جوبلی بڑے جوش و خروش سے منائی۔ تین روزہ سمینار میں مقالوں کے علاوہ کلچرل پروگرام، کل ہند مشاعرہ اور انعامات و اعزازات کی تقاریب بھی شامل تھیں۔ ہر تقریب میں عاشقان اردو ہمہ تن گوش مقالے سماعت فرما رہے تھے، جہاں سوال پوچھنے کی ضرورت پڑتی، وہیں بحث و مباحثہ کا سماں بندھ جاتا، جیسے سب سننے والے اپنے علم میں اضافہ کرنے کی غرض سے بیٹھے ہیں۔ کاش پروفیسر محی الدین قادری زورؔ زندہ ہوتے، تو ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہتی، جب وہ دیکھتے کہ اس ''کارواں'' کو جس کو انہوں نے اکیلے شروع کیا تھا آج پچاس سال کا طویل سفر مکمل ہونے پر کیسا جشن منایا جا رہا ہے ہر طرف گہما گہمی کا عالم تھا، جس کی کیفیت کو بیان کرنا بہت مشکل ہے۔ سمینار میں دہلی، علی گڑھ، میرٹھ، پٹنہ، جموں یونیورسٹیوں سے پروفیسر صاحبان تشریف لائے تھے، ان کے علاوہ مقامی ادیبوں اور شعراء کی بڑی تعداد نے بھی شرکت کی۔

سمینار میں ''برصغیر میں اردو زبان و ادب.....کل، آج اور کل'' کے عنوان کے تحت مختلف النوع کے مقالے اور مضامین پڑھے گئے، ہر مقالہ نگار سامعین کو ڈرانے کے لئے یہ دھمکی ضرور دیتا کہ میرا مقالہ تیس پنتیس صفحات پر مشتمل ہے، یہ سُنتے ہی محفل میں ہر طرف کانا پھوسی شروع ہو جاتی کہ اتنا طویل مقالہ کون سُنے گا، لیکن پھر بھی سننے والے آخر تک بڑے صبر و تحمل سے سنتے۔ کوئی مقالہ نگار اپنی آواز میں گرج پیدا کرتا، کوئی مخصوص

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

سماں باندھنے کی کوشش کرتا، کسی کو سوالوں کا تسلی بخش جواب دینے کی فکر رہتی، کوئی سامعین کی قوت برداشت کا امتحان لیتا۔ غرض ہر طرح کے مقالے سننے کو ملے۔

تین دنوں کے دوران ایسے بہت سے مواقع ضرور آئے جب سامعین محظوظ ہوئے۔ مثلاً جب حامدی کاشمیری نے فاروق نازکی کو نئی نسل کا شاعر گردانا، تو کسی نے پیچھے سے فقرہ کسا کہ ماں باپ کو اپنا بچہ اور استاد کو اپنا طالب علم ہمیشہ معصوم لگتا ہے۔ پروفیسر ظہور الدین صاحب نے مشاعرے کی نظامت کرتے ہوئے ان شعراء کو بھی نئی نسل میں گردانا جنہوں نے اپنی زندگی کی پچاس سے زائد بہاریں دیکھی ہیں۔ کلچرل اکادمی کے سیکرٹری رفیق مسعودی کو گلہ ہے کہ اردو زبان اب مسافر بسوں پر لگائے جانی والی تختیوں تک محدود ہوگئی ہے، تو پروفیسر عبدالحق کشمیر کو اردو کا قلعہ تصور کرتے ہیں۔ فاروق نازکی نے اپنے مخصوص انداز میں شعبہ اردو کو پروفیسر محی الدین قادری زورؔ اور پروفیسر عبدالقادر سروریؔ کی قبروں پر کتبہ نصب کرنے کی اپیل کی۔ زور صاحب خانیار میں اور سروری صاحب جواہر نگر میں مدفون ہیں۔ ٹینگ صاحب نے شعبہ کی سلور جوبلی کی یاد دہانی کرتے ہوئے یہ شکایت کی، کہ شعبہ اس کے بعد بالکل خاموش ہوگیا، جس کا جواب پروفیسر مجید مضمرؔ نے محاوراتی زبان میں نہایت ادب کے ساتھ دیتے ہوئے کہا ''اگر صبح کا بھولا شام کو لوٹے، اس کو بھولا نہیں کہتے''۔ مشاعرے میں شعراء کی داد دینے میں اتنی فراوانی کا مظاہرہ ہوا کہ بیرون ریاست کے شعراء حیران ہوگئے کہ اتنی داد تو علی گڑھ یا دہلی میں بھی نہیں ملتی۔

گولڈن جوبلی کی آخری تقریب سننے کے بجائے دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی، اس تقریب میں شعبۂ اردو نے سابق اساتذہ جن میں پروفیسر شکیل الرحمان، پروفیسر محمد حسن، پروفیسر حامدی کاشمیری، پروفیسر اکبر حیدری اور پروفیسر محمد زمان آزردہ شامل ہیں کو ان کی شعبہ کے تعین خدمات کے اعتراف میں اعزازات سے نوازا۔ اس کے علاوہ

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

فاروق نازکی کو شعبہ کے ابتدائی طالب علم ہونے کی حیثیت سے، صوفی غلام محمد کو صحافت کے حوالے سے، محمد یوسف ٹینگ کو تنقید و تحقیق کے اعتراف میں، عبدالرشید نقشبندی کو ریڈیو میں صحیح تلفظ اور سُریلی آواز میں پروگرام نشر کرنے پر، محمد صدیق کو کتابت میں اور ڈاکٹر نذیر مشتاق کو اردو زبان میں طب کے موضوع پر لکھنے اور طبی اصطلاحات کے شستہ اور رواں تراجم کرنے کیلئے اعزازات سے نوازا گیا۔

جشنِ زریں میں اس وقت گرمی محسوس ہوئی جب وائس چانسلر صاحب نے بھی فراخدلی کا مظاہرہ کر کے شعبہ کو ۵ لاکھ روپے کی خصوصی گرانٹ دینے کا اعلان کیا، ساتھ ہی اردو صحافت کے لئے مخصوص ایک کورس شروع کرنے کی نوید بھی سنائی۔ تین دنوں کے جشنِ اردو کو دیکھ کر پروفیسر قمر رئیس کو اعتراف کرنا پڑا کہ اب ملک کی دیگر ریاستوں میں جو بڑی بڑی یونیورسٹیاں ہیں، وہاں بھی شعبہ اردو کشمیر یونیورسٹی کی طرح جشنِ زریں منایا جانا چاہیئے۔ شاید داغؔ نے اسی لئے صدیوں پہلے کہا تھا کہ

اردو ہے نام جس کا ہمیں جانتے ہیں داغؔ
سارے جہاں میں دھوم ہماری زبان کی ہے

✿✿✿

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

حق ہے کچھ کشمیریوں کے نالۂ شب گیر کا

صحافت کے میدان میں ایسے نابغہ حضرات بہت کم اُٹھے ہیں، جنہوں نے صحیح معنوں میں صحافتی ذمہ داری نبھاتے ہوئے بیباکی اور دلیری سے حاکمانِ وقت کی ظالمانہ پالیسی کی نقاب کشائی کرتے ہوئے اپنے جان کی پروا بھی نہیں کی ہے۔اس کے لئے انہیں زندگی کی کئی بہاریں اسیر زندان ہوکر بھی گزارنی پڑیں۔لیکن ارداے ایسے مستحکم اور منظم کہ سزائیں کھانے کے بعد بھی، اس تلاش میں رہتے کہ کب موقعہ ملے اور وہ اپنے دل کی بھڑاس نکال سکیں۔ان ہی جوان مرد صحافوں کے قبیلے میں مولانا ظفر علی خاں سرفہرست ہیں۔

مولانا کو کشمیر سے والہانہ لگاؤ تھا، جب بھی وہ یہاں آتے، تو کشمیریوں کی عملی زندگی میں ضرور جھانکتے، کہ یہاں لوگوں کو کن کن مصائب و مشکلات کو سامنا کرنا پڑتا ہے۔انہوں نے اپنے موقر اخبار ''زمیندار'' میں کشمیروں کے لئے مخصوص جگہ رکھی تھی، جس میں وقتاً فوقتاً مظلوم کشمیریوں کی داستانِ ستم منظومات میں تحریر کرتے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

مولانا نے اکثر و بیشتر وقت کشمیر میں ہی گزارا ہے۔ایک روز مولانا گلمرگ کی حسین وادیوں میں سیر و تفریح کی غرض سے نکل پڑے۔تو راستہ میں ایک انگریز نے گھوڑے سے اترتے ہوئے حاکمانہ انداز میں ان کو گھوڑے کی باگیں پکڑنے کو کہا۔انہیں انگریز کے اس ناجائز حکم اور تحکمانہ انداز پر بڑا غصہ آیا اور اسے دوٹوک جواب دیا کہ میں تمہارا نوکر نہیں ہوں اور چل پڑے۔انگریز حاکم نے مولانا کی زبان سے یہ گستاخانہ کلام سن کر ان کو ناشائستہ الفاظ کہے۔مولانا کو ان الفاظ کی تاب کہاں تھی۔وہیں پلٹے اور اس انگریز کی اتنی پٹائی کی کہ اس کا حلیہ بگڑ گیا۔

انگریز حیران و پریشان ہوکر پیچ و تاب کھاتا ہوا ریزیڈنسی پہنچا اور مولانا کی گستاخی کی شکایت کی۔اس واقعے سے ساری ریاست میں تہلکہ مچ گیا۔یہ بات کسی اچنبھے سے کم نہیں تھی کہ ایک عام شخص نے ایک انگریز آفیسر کو برسرِ عام پیٹ دیا تھا۔ریذیڈنٹ نے مہاراجہ پر زور دیا کہ ایسے گستاخ نوجوان کو سخت سزا دی جائے،جس نے حاکم قوم کے ایک معزز فرد کی بے عزتی کی ہے۔راجہ رزیڈنسی کے سامنے بے بس تھا۔مہاراجہ پرتاب سنگھ نے اسی میں عافیت سمجھی کہ مولانا کو ریاست چھوڑنے کا حکم جاری کیا جائے۔ریاست بدر کرنے کے بعد بھی مولانا کئی دفعہ وارِدِ کشمیر ہوئے۔1931 کے بعد جب کشمیری قوم پوری طرح منظم طریقہ پر اپنے جائز حقوق کے لئے سربکف میدان میں اتر آئی،تو اس وقت جن شعلہ بیان مقرروں نے اہم رول ادا کیا۔ان میں سید عطاءاللہ شاہ بخاری،مولانا حبیب الرحمان اور مولانا ظفر علی خاں ایسے مقررین تھے جنہوں نے صاف اور واشگاف انداز میں ریاستی حکام کی نیندیں حرام کردیں۔مولانا تقریر و تحریر دونوں میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔انہوں نے ہمیشہ کشمیریوں کی حالتِ زار پر واویلہ کیا۔جب 1931

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

میں ہر جگہ مہارجہ کے خلاف احتجاجی مظاہرے ہوئے، کیونکہ مہاراجی افواج نے کشمیریوں پر ظلم کے پہاڑ توڑ دیئے تھے۔تو مولانا نے اس حالت کی تصویر کشی درد ناک انداز میں یوں کی۔

ہر طرف ہنگامہ پھر برپا ہے دارو گیر کا
ہورہا ہے پھر ہرا زخم ِ کہن کشمیر کا
گونجتی ہے پھر فضا زنجیر کی جھنکار سے
شور جس میں دب رہا ہے نعرۂ تکبیر کا
ہے خطا اتنی کہ کیوں کرتے ہیں اپنا حق طلب
ہیں یہ ساری سختیاں خمیازہ اس تقصیر کا
بادشاہ بے مہر ہے اور بے نیاز اس کا وزیر
شکوہ کس سے کیجیے پھوٹی ہوئی تقدیر کا
ایک لے دے کے خدا باقی ہے جس کے عرش پر
حق ہے کچھ کشمیریوں کے نالۂ شب گیر کا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں

انگریزی کے مشہور افسانہ نگار او۔ہنری کی کہانی After twenty years ہمارے بارھویں جماعت کے نصاب میں شامل تھی، جس میں دو دوست ایک دوسرے سے بیس سال بعد ملنے کا وعدہ کرتے ہیں۔بیس سال گزرنے کے بعد جب وہ ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو دونوں متضاد صورت حال سے دوچار ہوتے ہیں۔اسی طرح کا ایک کارنامہ شمس الدین شمیم نے کر کے دکھایا، جب انہوں نے اپنے دوستوں کو بیس سال بعد ایک جگہ پر جمع کیا۔جو گزری صدی کے ساتویں اور آٹھویں عشرے میں کبھی تلاش ادب تو کبھی رائٹرس کلب کے روح رواں تھے۔یہ ایک ایسی محفل تھی، جس میں نہ کوئی ایجنڈا تھا نہ ہی کوئی منضبط پروگرام۔ہر آنے والا دوسرے سے گلے ملتا، مصافحہ کرتا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں سوال کر بیٹھتا کہ ہم یہاں کیوں جمع ہوئے ہیں۔اس سوال کا جواب سوائے شمیم کے کون دے سکتا تھا، لیکن شمیم کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔بقول غالبؔ ع

مے بھی ہے مینا بھی ہے ساغر بھی ہے ساقی نہیں

کمرے کے ایک کونے میں سلطان الحق شہیدیؔ، فریدؔ پربتی، ایس۔ایم، قمر اور

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

عبدالرشید فراقؔ ادبی گفتگو میں محو تھے تو دوسری طرف سجاد حسین اور اعجاز بانڈے سگریٹ کے لمبے لمبے کش لے رہے تھے، تو اسی اثناء میں دروازے پر قہقہہ مارتے ہوئے چند چہرے نظر آئے، جن میں جاوید آذرؔ، خالد بشیرؔ، غلام نبی شاہدؔ اور رفیق ہمرازؔ تھے۔ تو محفل میں علیک سلیک کی آوازیں بلند ہونے لگی۔ ابھی محفل کا رنگ جما ہی تھا کہ ایک سفید ریش بزرگ شخص نے زندہ دلی سے سلام کرتے ہوئے سب کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ تو سب کھسر پھسر کرنے لگے کہ یہ کون صاحب ہیں لیکن جاوید آذرؔ کی پارکھی نظر ان کو پہلے ہی پہچان گئی۔ انہوں نے سفید پوش بزرگ سے گلے ملتے ہی چلایا، مُنیر تم تو بوڑھے ہو چکے ہو۔ منیرؔ صاحب نے برجستہ جواب دیا، خود کو کبھی آئینہ میں دیکھا ہے۔ یہ سنکر سب ہنسنے لگے اور احتراماً کھڑے ہو گئے کہ اب محفل میں مزہ آئے گا، کیونکہ منیر احمد، جس کی سنجیدہ باتوں سے بھی مزاح کے پھوارے پھوٹتے ہیں ہمارے درمیان موجود ہے۔ دروازے پر عمر مجید کی صدا سنائی دی، کیا میں اندر آسکتا ہوں۔ ہر ایک ان کو اپنی بغل والی جگہ دینے پر آمادہ تھا، لیکن وہ تو موقعہ شناس نکلے، انہوں نے اپنے یارِ خاص منیر احمد منیرؔ کو ہی ترجیح دی۔ اسی اثناء میں شمس الدین شمیمؔ کی آواز سنائی دی کیا سب آگئے۔ تو سلطان الحق شہیدیؔ نے جملہ کستے ہوئے کہا، برخوردار خود دیکھ لو کتنے باراتی ساتھ لینے ہیں۔ ایک ایک کر کے سب جمع ہو گئے، سبھوں کے چہرے خوشی سے کھل اُٹھے، دبے دبے ہونٹوں میں ایک دوسرے سے شکایت کرتے کہ کیا سچ مچ ہم نے اتنے برس غیروں کی طرح گزارے، ایک دوسرے سے بے خبر، جیسے کبھی ملے ہی نہیں تھے۔ کوئی وقت کو موردِ الزام ٹھہراتا، تو کوئی زندگی کی مصروفیات کا رونا روتا۔ غرض سبھی حیران و پریشان سوچ رہے تھے کہ شمیمؔ کے دل میں کیا سوجھی کہ اس نے سب کو بلایا ہے۔ سب ایک دوسرے کو تاک رہے تھے، جیسے بات کرنے کا کوئی بہانا ڈھونڈ رہے ہوں۔ تو شمیمؔ نے نہایت سادگی سے کہا کہ مجھے اپنے دوستوں کی یاد ستانے لگی تو میں نے غنیمت سمجھا کہ سب کو پھر ملانے کا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کوئی بہانا بنایا جائے۔ ساتھ ہی بیس سال پرانے واقعات کا تذکرہ کرنے لگے، تو منیر احمد منیرؔ نے تلاش ادب کی بات چھیڑتے ہوئے ماضی کی یادیں تازہ کیں۔ جیسے کسی بچے کو نانی کی کہانی یاد آگئی ہو، اور وہ بضد ہو کہ سب اس کو سنیں۔ عمر مجید نے کئی ایک واقعات سنائے تو شمس الدین شمیمؔ نے بھی محفل میں رنگ جمتے ہی ادیبوں کے معاشقے چھیڑ دیئے۔ جس کو سب دلچسپی کے ساتھ سننے لگے۔ سلطان الحق شہیدی نے کئی رنگا رنگ واقعات سنائے، سب ماضی کی دُھندلی یادوں کو آنکھیں میں محسوس کر رہے تھے، کچھ تو آنسوں کو روکنے کی ناکام کوشش میں لگے تھے۔ جیسے سب بزبان غالبؔ دل کی کیفیت بیان کر رہے ہوں۔

یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں
لیکن اب نقش و نگارِ طاق نسیاں ہو گئیں

خدا جانے شمس الدین شمیم کے دل میں کیا سوجھی وہ فوراً اٹھے اور سب کو کھانے کی طرف متوجہ کیا، کہ پہلے کھانا، پھر رونا۔ کھانے کا خاص انتظام رکھا گیا تھا، جس میں واز وان کے ساتوں پکوان موجود تھے، جیسے سچ مچ شمیم دلہا تھا اور ہم سب باراتی۔ کھانے کے بعد پھر محفل جمنے لگی، تو شمیمؔ پھر باہر کی طرف دوڑتے دکھائے دیئے، لیکن اکیلے نہیں لوٹے بلکہ ساتھ میں ایک فوٹو گرافر بھی تھا۔ اس کو حسن اتفاق ہی سمجھئے یا شمیمؔ کی بزلہ سنجی کہ فوٹو گرافر بھی ایک نیم شاعر نکلا۔ اب یہ کیسے ممکن تھا کہ چند شعراء ایک جگہ جمع ہوں اور وہ اپنے کلام کے دفتر کھولنے کی کوشش نہ کریں۔ بس پھر کیا تھا کہ شہیدیؔ صاحب نے بغل میں چھپائی ہوئی بیاض نکالی اور اپنے مخصوص انداز میں اشعار گھنگنانے لگے بقول جاوید آذر شہیدی صاحب ''خ'' کو اپنے اصلی مخرج سے ادا کرتے ہیں تو شعر گنگنانے لگتے ہیں۔ ابھی شہیدیؔ صاحب دل کی بھڑاس نکال ہی رہے تھے کہ منیر احمد منیرؔ نے بھی مزاحیہ انداز میں ڈوبی دو کشمیری غزلیں سناڈالیں کہ کہیں شہیدی صاحب کا تفکر آمیز کلام سن کر

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

سب کی طبیعت بھاری نہ ہو جائے اور میں کلام سنانے کے بغیر ہی چلتا بنوں۔ جاوید آذر نے فرید پربتی کو بھی دعوت دی کہ وہ بھی اپنے کلام سے نوازیں۔ غلام نبی شاہد کا افسانہ ''بھوشن لال کیا زگوہ وٹس'' سنتے ہی محفل سنجیدہ ہوگی۔ کہانی میں کشمیر کے حالات کی عکاسی ہو، بہو انداز میں کی گئی تھی، کہ سب حیرت میں پڑ گئے، شاہد صاحب نے اتنی بڑی کہانی اردو میں کیوں نہیں لکھی، کاش شاہد صاحب اس کو اردو میں لکھتے، تو ان نام نہاد افسانہ نگاروں کو پتہ چلتا کہ سچ مچ کشمیر میں کیا حالات ہیں، جو تخیل کی بنیاد پر اس موضوع پر لکھتے ہیں۔ منیر صاحب نے کہانی سنتے ہی کہا اگر میں یہ کہانی شاہد کی زبانی نہ سنتا تو میں اس کو اختر محی الدین کے کھاتے میں ڈال دیتا۔ محفل کی کیفیت دیکھ کر خالد بشیر ایک کونے میں کچھ سوچ رہے تھے کہ جیسے ان کو بھی اپنے چند اشعار سنانے کا موڑ بن رہا ہو۔

محفل کا رنگ اتنا جم چکا تھا کہ جیسے کسی کو گھر جانے کی جلدی نہیں تھی، لیکن وقت کا کیا کیا جائے گھر تو ہر حالت میں پہنچنا تھا، ورنہ گھر والوں کے دلوں میں بُرے خدشات جنم لیتے۔ گھر پہنچتے ہی میرے دل میں یہ خیال آیا کہ او ہنری نے تو تخیل سے کہانی بنی تھی لیکن ہمارے او ہنری (شمس الدین شمیم) نے تو حقیقت میں بیس سال بعد دوستوں کو ملایا، کاش شمیم او ہنری کی طرح کہانیوں میں گم ہو جاتے تو یقیناً ہمارے افسانوی ادب میں قابل قدر اضافہ ہوتا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بات کرنے سے زبان نہیں کٹتی

کئی سال پہلے مجھے اختر محی الدین اور امین کامل سے بالمشافہ ملاقات کرنے کا بہت اشتیاق تھا۔ اپنی دیرینہ خواہش کو پورا کرنے کے لئے میں کلچرل اکاڈمی کے دفتر میں گیا۔ تو وہاں معلوم ہوا کہ امین کامل صاحب طبیعت ناساز ہونے کی وجہ سے نہیں آئے ہیں۔ اور اختر محی الدین کسی دوسرے محکمے میں کام کرتے ہیں۔ میری دنوں خواہشیں دل ہی میں رہ گئیں۔ پھر بھی میں نے کوشش کی، کہ کسی ادیب یا شاعر سے ضرور ملوں۔ اس وقت کلچرل اکادمی کی پرانی عمارت تھی، جہاں لابریری کے لئے ایک مخصوص کمرہ تھا۔ اس میں بہت سے نادر مخطوطات اور قیمتی فوٹو گراف سلیقہ سے رکھے گئے تھے، جو بعد میں جل گئے یا جلائیے گئے (واللہ عالم)۔ میں اکادمی کی عقب والی بلڈنگ میں گیا تو وہاں ایک کمرے میں ایک شخص خاموشی سے اپنے کام میں اتنا مشغول تھا کہ میں بغیر اجازت کمرے میں گھس آیا۔ لیکن پھر بھی موصوف نے اتنا بھی ضروری نہیں سمجھا کہ مجھ سے کوئی باز پرس کرتے۔ میں سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ تو مذکورہ شخص نے عینک سرکاتے ہوئے مجھے سے پوچھا۔ بیٹا کس سے ملنا ہے۔ میں کوئی معقول جواب نہیں دے پایا کہ کمرے میں ایک بلند قامت شخص وارد ہوا۔ دونوں بغل گیر ہو گئے۔ میں حیرانی کے عالم میں ایک طرف بیٹھ گیا تو اس بلند قامت شخص نے بھینچتے ہوئے چلایا کہ بشیر اختر تم تو ایک افسانہ کے کردار بن گئے ہو۔ بشیر اختر جو میرے لئے کوئی اجنبی نام نہیں تھا۔ میں نے ان کے کئی افسانے پڑھ رکھے تھے۔ دل میں خوشی محسوس ہوئی کہ اگر بڑے اختر (اختر محی الدین) سے ملاقات نہ ہوئی تو کیا ہوا چھوٹے اختر (بشیر اختر) بھی تو میرے پسندیدہ افسانہ

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

نگار ہیں۔لیکن ابھی میرے لئے یہ معمہ تھا کہ بلند قامت شخص کون ہے۔ جو بشیر اختر سے اتنا گھل مل گیا کہ دنوں ''تم سے تو'' کی حد پار کر گئے۔

اسی اثنا میں ایک شخص بشیر اختر صاحب کو ڈھونڈتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے۔تو انہوں نے بلند قامت شخص کو دیکھ کر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا، خیال صاحب مجھے یقین ہی نہیں آرہا ہے کہ آپ مجھے یہیں ملیں گے۔ براہ کرم میری سفارش کر دیجئے، میں نے اپنا شعری مجموعہ مالی معاونت کے لئے داخل کیا ہے۔تو خیال صاحب نے بشیر اختر کی طرف دیکھ کر کہا، یار اس کا خاص خیال رکھنا۔بشیر اختر نے برجستہ جملہ کسا، خیال تمہارے ہوتے ہوئے کسی کا کیا خیال رکھوں۔دونوں اس جملے پر ہنس پڑے۔نہ جانے مذکورہ شخص کے دل میں کیا سوجھی، وہ کمرے سے باہر چلے گئے، تو بشیر اختر نے حیرانی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اب لوگوں کو صرف ''صاحبِ کتاب'' بننے کی لت پڑ چکی ہے۔ہم لوگ تو لکھنے کے بعد بھی کئی کئی دنوں تک کسی کو دکھانے سے ڈرتے تھے کہ کہیں مذاق نہ بن جائے۔اور موصوف قافیہ وردیف سے نابلد اور عروض وآہنگ سے بے خبر ہے لیکن پھر بھی بضد ہے کہ اس کی ''تک بندی'' پر ان کو مالی معانت دی جائے۔ خیال صاحب نے مسکراتے ہوئے لقمہ دیا کہ یار لوگوں کے افسانوں کے تک سک سدھارتے سدھارتے تم اس قابل بن ہی گئے ہو کہ کسی کی شعری تخلیق کی پلک سنوار سکو۔لگے ہاتھوں اس بیچارے کا کام بھی بن جائے گا۔اس پر بشیر اختر صاحب نے سنجیدہ ہوتے ہوئے سگریٹ کا کش لے کر کہا کہ میں قریباً بیس سال سے کہانیاں لکھ رہا ہوں، لیکن میری ہمت نہیں بندھتی کہ میں ان کو کتابی شکل دوں۔پھر پریم چند کا جملہ دہرایا کہ ''بات کرنے سے زبان نہیں کٹتی بلکہ لکھنے سے ہاتھ ضرور کٹتے ہیں''۔پریم چند کا یہ جملہ کتنی معنویت رکھتا ہے اس کا احساس مجھے آج ہو رہا ہے۔کہ لکھنا کتنا دشوار گزار مرحلہ ہے شاید اسی لئے کہا جاتا ہے کہ جو قلم اُٹھانے سے قاصر ہوتا ہے وہ سیاست کا سہارا لیتا ہے۔ کیونکہ وہاں تحریر کا نہیں بلکہ تقریر کا دخل ہوتا ہے۔

CC-0: Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کئی مہینوں کے بعد میری دیرینہ آرزو اس وقت بھر آئی جب غلام رسول نازکی کی برسی ریڈیو اسٹیشن کے آڈیٹوریم میں منائی گئی۔ ہر ایک مقرر نازکی مرحوم کے قد کو بلند کرنے کے لئے اپنی علمی بساط کو بروئے کار لا کر ان کی شاعری کے ڈانڈے اقبال سے ملانے پر تُلا تھا۔ سامعین میں سے بھی کئی اصحاب اُٹھے اور نازکی مرحوم کے ساتھ اپنے تعلقات بیان کرنے لگے۔ تو مائیک پر کسی نے اختر محی الدین صاحب کو بھی نازکی مرحوم کے تئیں اپنے خیالات بیان کرنے کی دعوت دی۔ میں دل ہی دل میں خوش ہوا کہ آج اپنے سب سے زیادہ پسندیدہ افسانہ نگار کو دیکھنے کا موقعہ ملے گا۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نحیف ونزار، کمزور، دبلا پتلا اور گندمی رنگت کا آدمی دروازے کی بائیں جانب سے آرہا ہے۔ اختر صاحب نے جذباتی انداز میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ہم لوگ مرنے کے بعد شاعر کی قدر ومنزلت کو جانچتے ہیں۔ جبکہ میں نے ایران میں نازکی مرحوم کا فارسی کلام یونیورسٹی کے نصاب میں دیکھا۔ تو میری خوشی کی انتہا ہی نہیں رہی۔ افسوس ہم لوگ کتنے بدنصیب ہیں کہ مرنے کے بعد مرتبے چڑھانے میں ایک دوسرے سے سبقت لینا چاہتے ہیں۔

آج میں سوچتا ہوں کہ کشمیری افسانے کا زریں دور کا خاتمہ ہوگیا۔ جب میں نے اپنی ادبی زندگی کی شروعات کی تو میں نے اختر ین (اختر محی الدین اور بشیر اختر) کے افسانے خوب پڑھے۔ کاش وہ کچھ سال اور زندہ رہتے۔ تو ہم ان کے افسانوں سے لطف اندوز ہوتے۔ لیکن یہ بھی سچ ہے کہ ادیب کبھی نہیں مرتا، کیونکہ وہ اپنی تحریوں میں ہمیشہ زندہ رہتا ہے، جس طرح اختر محی الدین ''دندِ وزن'' اور بشیر اختر ''اننہ گھٹہ ننہ کتھہ' میں زندہ جاوید ہیں۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

سنبھل کر لکھیئے، کہیں ٹوٹ نہ جائے!

میرے ایک دیرینہ دوست سلیم ساغر کم سنی میں ہی شعروادب کی پیچیدگیوں کو اس طرح سمجھ چکے ہیں کہ وہ اشعار کی تقطیع انگلیوں کی پوروں پر اس طرح کرتے ہیں کہ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ یہ ارکان کی گنتی کر رہے ہیں یا مونگ پھلی چبا رہے ہیں۔ میں نے بارہا اس سے پوچھا، یار تم یہ کیسے کر پاتے ہو۔ وہ ہر مرتبہ یہ کہہ کر ٹال دیتا ہے کہ اس کے لئے عروض و آہنگ سیکھنے کی ضرورت ہے جو تمہارے بس کی بات نہیں۔ اگر شعر میں کوئی رکن کم یا زیادہ ہو، تو شعر کا وزن ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ جواب سن کر میں قہقہہ مار کر ہنسنے لگا کہ کیا سچ مچ شعر کا وزن ٹوٹ جاتا ہے یا ڈرانے کے لئے کہہ رہے ہو۔

مشہور ہے جب اردو کے کہنہ مشق شاعر بسمل سعیدی اپنے استاد کے پاس کلام لے کر گئے کہ حضرت اس کی اصلاح فرمائیں۔ تو انہوں نے بسمل سعیدی کو سرتاپا جائزہ لیتے ہوئے کہا کہ تم نے کس کس شاعر کو پڑھا ہے بسمل صاحب نے معصومیت سے جواب دیا، کہ شعر کہنے کے لئے کسی شاعر کو پڑھنے سے کیا تعلق ہے؟ استاد نے مسکراتے ہوئے کہا کہ برخوردار اگر شعروادب میں کوئی کارنامہ انجام دینا ہے تو تین میموں (م) پر عمل کرو، جبھی شعر فہمی کی صلاحیت پیدا ہوگی، ورنہ عمر بھر ''تک بندی'' کرتے رہو گے۔ اور وہ تین (م) یوں ہیں، مطالعہ، مشق اور مشورہ۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بسمل سعیدی کو جو نصیحت اپنے استاد نے کی، اس کی اہمیت اور افادیت آج بھی مسلم ہے۔ جب مطالعہ کی بات چلتی ہے تو کلاسیکل شعراء کو پڑھنے کی تلقین کی جاتی ہے۔ اس کے دو فائدے ہیں اول زبان کی نوک پلک سنور جاتی ہے اور دوسرا لفظوں کے شیڈس (shades) کا اندازہ ہوتا ہے کہ موقع محل کے اعتبار سے لفظ کی کیا معنویت ہے۔ اکثر اساتذہ مطالعہ کے دوران حفظ کی اہمیت پر بھی زور دیتے ہیں۔ حفظ کی بات چلی تو ایک دلچسپ واقعہ دہراتا چلوں، عربی کے مایہ ناز شاعر ابونواس نے زمانہ طالب علمی میں ایک بار اپنے استاد خلف الاحمر سے شعر گوئی کی اجازت چاہی۔ خلف نے جواب دیا:۔

''میں تمہیں اس وقت تک اجازت نہیں دے سکتا جب تک کہ تم قدیم شعرائے عرب کے ایک ہزار اشعار حفظ نہ کولو۔ اور ان میں گیت، قصیدہ اور فردیات سب کچھ ہونا چاہیے۔''

ابونواس یہ حکم سن کر ایک مدت کے لئے گوشہ نشین ہوگیا۔ پھر حاضر ہوکر اس نے استاد سے کہا:۔

''جناب، میں آپ کا حکم بجالایا۔''

''تو سناؤ۔'' خلف الاحمر نے کہا۔

ابونواس نے کلام سنانے شروع کئے اور کئی دن کی مدت میں اس نے اپنے یاد کئے ہوئے زیادہ تر اشعار سناڈالے اور پھر اپنی درخواست کا اعادہ کیا کہ مجھے شعر کہنے کی اجازت عطا ہو۔

''اجازت نہیں مل سکتی۔'' خلف الاحمر نے کہا۔ ''تاوقت یہ کہ تم وہ سب اشعار اپنے حافظے سے اس طرح نہ محو کردو گویا تم نے انہیں کبھی یاد ہی نہ کیا تھا۔''

استاد، یہ تو بہت مشکل ہے۔'' ابونواس نے کہا۔ ''میں نے تو یہ اشعار بڑی اچھی طرح یاد کر لئے ہیں۔''

''جب تک تم انہیں بھلاؤ گے نہیں، تب تک تمہیں اجازت نہیں ملے گی۔''

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بچارہ ابونواس دوبارہ کسی خانقاہ میں چھپ رہا اور بہت مدت وہاں پڑا رہا جب تک وہ سارے اشعار اس کی یاد سے محو نہ ہو گئے۔ تب کہیں باہر نکل کر وہ استاد کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا:۔

''استاد، میں نے وہ کلام اس طرح بھلا دیئے ہیں گویا میں نے انہیں کبھی یاد ہی نہ کیا تھا۔''

''اچھا تو جاؤ۔'' خلف نے کہا ''اب شعر کہو۔''

متذکرہ واقعہ سے یہ بات صاف مترشح ہوتی ہے کہ ایک شاعر کس طرح اپنے استاد سے شعر گوئی کی اجازت طلب کرتا ہے اور پھر اپنے استاد کی شرطوں کر پورا بھی کرتا ہے۔ جب مطالعہ و مشاہدہ مکمل ہوتا ہے تو شعر کہنے میں کوئی قباحت نہیں۔ ورنہ اکثر ''بگڑا شاعر مرثیہ گو'' والی بات ہو جاتی ہے۔ اس لئے مشق کرنا ضروری ہے۔ انگریزی کے شاعر بائرن کے متعلق مشہور ہے کہ وہ ایک شعر دس دس مرتبہ لکھتا تھا، اور ہر وقت شعر کی نوعیت بدل جاتی، جب تک اطمینان نہ ہوتا، اپنی کوشش جاری رکھتا۔

مشورہ کے لئے اساتذہ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرنا شرط اول ہے۔ ہر دور میں اساتذہ کی ایک روایت رہی ہے۔ جو اپنے شاگردوں کو فن کے محاسن و معائب سے آشنا کرتے ہیں۔ کلام کی باریکیوں سے روشناس کراتے ہیں۔ اور شعر کہنے والے میں بھی ہمت آجاتی ہے کہ وہ کسی خیال کو موزوں کر سکے۔

اصل میں بات شعر ٹوٹنے کی چلی تھی اور میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ میں جانتا ہوں کہ میری طرح ہزاروں ایسے نوجوان ہونگے، جن کے دل میں یہ خواہش ضرور ہوگی کہ ان کے اشعار بھی اخباروں اور رسالوں کی زینت بنیں۔ کہنہ مشق شعراء ان کی طرف متوجہ ہوں، یا کم از کم اتنی خفت نہ اُٹھانی پڑے کہ شعر ٹوٹ رہا ہو۔ اکثر و بیشتر نام نہاد شعراء نوعمر و نوآموز کو استادی دکھانے کے لئے یہی جملہ رٹتے ہیں کہ ''شعر ٹوٹ رہا ہے''۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ٹیگور ہال کے مشاعرے میں رحمان راہی کا شعر سنتے ہوئے ایک صاحب نے راہی صاحب سے اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ جناب شعر ٹوٹ رہا ہے تو انہوں نے برجستہ جواب دیا قبلہ میں نے دانستہ طور پر ایسا کیا ہے ورنہ خیال ٹوٹ جاتا۔

کاش میرے وہ دوست جو شاعری میں قسمت آزمائی کرنا چاہتے ہیں ان تینوں میموں (مشق، مطالعہ، مشورہ) پر عمل کرتے، پھر دیکھتے کہ اشعار کیسے وارد ہونگے، الفاظ خود بخود اشعار میں ڈھل جائیں گے، خیالات کا نہ ٹوٹنے والا سلسلہ ہمیشہ کے لئے جاری و ساری رہے گا۔ لیکن اتنی باتیں کرنے کے باوجود یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ شاعری اکتسابی نہیں بلکہ وہبی ہے اس لئے ضروری ہے کہ شعر و شاعری میں قسمت آزمائی کے لئے طبیعت کی موزونی از حد ضروری ہے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

آنکہ دارد قیام در کشمیر

رواں ہفتہ میں ۹ نومبر کو علامہ اقبال کی ۱۳۰ ویں یوم ِ ولادت کے طور پر منایا گیا۔ مختلف جگہوں پر سمینار ہوئے، تقریریں ہوئیں، بحث ومباحثہ کے دور چلے، ساتھ ہی قہوے کی چسکیاں لینے کا بھی موقعہ نصیب ہوا۔ ہر جگہ علامہ اقبال کے کلام کی معنویت کو آج بھی برقرار سمجھا گیا۔ خصوصاً جب بھی کشمیر کے حوالے سے بات چلی تو، علامہ اقبال کا یہ موقف سامنے آیا، کہ کشمیری قوم ایک زرخیز مٹی کی پروردہ قوم ہے۔ اس لئے ذرا نم ہونے کی دیر ہے کہ قلب وجگر میں کچھ کر گزرنے کا جذبہ پیدا ہونے میں دیر نہیں لگے گی۔ اس کی زندہ مثال ہمیں اردو اکادمی اور ڈائریکٹوریٹ کے اشتراک سے منعقدہ ایک سمینار میں ہوا، جب اعجاز احمد ککرو صاحب نے اقبال اور کشمیر کے حوالے سے کچھ تاریخی واقعات سنائے، جن سے محفل میں گرمی اور تازگی کا احساس بیدار ہوا۔

اعجاز ککرو صاحب کو پہلی مرتبہ سننے کا موقعہ ملا، تو طبیعت میں سکون میسر ہوا، آنکھوں میں ٹھنڈک سی محسوس ہوئی، دل میں خوش گوار احساس نے جگہ پائی، چہرے پر طمانیت کے آثار نمودار ہوئے، ان چاہی خوشی میں جھومنے کا شوق پیدا ہوا۔ آواز میں ایسی گرج کہ پورے ہال میں کسی کو بات کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ میں عالم حیرت میں سوچنے لگا کہ کیا سچ مچ آج کے دور کا ایک کے۔ اے۔ ایس آفیسر علامہ اقبال کے متعلق اتنی علمیت رکھتا ہے، کہ جیسے کوئی ماہر اقبالیات بول رہا ہو۔ زبان پر علامہ کے اشعار ایسے وارد ہو رہے ہو تھے کہ جیسے ایک جھرنا پورے آب تاب کے ساتھ اپنی مخصوص روانی میں بہہ رہا ہے۔ فارسی زبان کا تلفظ اتنا صاف کہ معمولی سدھ بدھ رکھنے والا بھی معنی کی تہہ تک

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

پہنچ سکتا۔ روایاتی تقریریں تو ہر جگہ سننے کو ملتی ہیں لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے جب مقرر کی بات سن کر روحانی کیفیت طاری ہو، لیکن ایسا تبھی ممکن ہے جب بات دل سے نکلے۔ وفور جذبات کا یہ عالم جب تقریر کی شروعات نعتیہ کلمات سے کی، تو آنسوں کے قطرے خود بخود اپنا راستہ تلاش کرنے میں مصروف ہو گئے۔

ککرو صاحب کی تقریر سے صاف جھلکتا تھا کہ جیسے علامہ اقبال کا شاگردِ معنوی اپنے استاد کی عظمت بیان کر رہا ہے۔ تقریر میں فقیر وحید الدین کی کتاب ''روزگارِ فقیر'' کا ذکر بار بار آ رہا تھا جیسے ایک قابل استاد اپنے شاگردوں کا سمجھا رہا تھا کہ اقبال کو سمجھنا ہے تو اس کتاب کا مطالعہ ناگزیر ہے۔

اس تقریب کے بعد مجھے ککرو صاحب کو کئی بار سننے کا موقعہ ملا، ہر دفعہ ان کی رقت آمیزی کا منظر سامنے آجاتا، ککرو صاحب صحیح معنوں ''میراثِ پدر خواہی علم پدر آموز'' کے مصداق اپنے خاندان کی طرف سے اس روایت کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں جس کی ابتدا ان کے جدامجد خواجہ عبدالصمد ککرو نے کی تھی۔

جب حضرت علامہ اقبال نے اپنی نظم ''شکوہ'' پڑھی تو اس کے اختتام پر خواجہ عبدالصمد ککرو، جو جلسہ گاہ میں موجود تھے اور ایک بیش قیمت کشمیری شہ توشہ (شال) اوڑھے ہوئے تھے اپنی جگہ اُٹھے اور وہ شال حضرت علامہ کے شانوں پر ڈال دی اور فرطِ جذبات سے حضرت علامہ سے بغل گیر ہو گئے۔ اس کے بعد اس شال کو جلسہ گاہ میں نیلام کیا گیا جسے ایک مخیّر انسان نے خریدا۔ روپیہ انجمن کے چندہ میں دے دیا گیا۔

علامہ اقبال نے جب عبدالصمد ککرو کی وفات کی خبر سنی تو انہوں نے برجستہ یہ شعر پڑھا ؎

خواجہ خواجگاں صمد ککرو
آنکہ دارد قیام در کشمیر

✿✿✿

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اُردو ہے غیر فانی، اُردو ہے جیسے پانی

اردو زبان ہماری مشترکہ تہذیب کی علامت ہے جو لسانی، ادبی اور تعلیمی سطح پر اپنی ایک انفرادی شناخت رکھتی ہے لسانی اعتبار سے یہ ریاست جموں وکشمیر کی رابطہ کی زبان ہے اور صحیح معنوں میں ایک لنگوافرنکا (lingua Franca) ہے جو صدیوں یہاں آپسی افہام وتفہیم کا ذریعہ بنی ہوئی ہے۔ اُردو کی شریں بیانی اور وسعتِ قلبی کا یہ عالم ہے کہ اس کو مہاراجہ کے دور سے ہی باضابطہ سرکاری زبان کے طور پر تسلیم کیا گیا۔ لیکن افسوس اُردو سرکاری زبان ہونے کے باوجود وہ مقام نہیں پاسکی، جس کی وہ مستحق ہے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ اُردو کو جائز مقام دینے کے بجائے، اس کو ختم کرنے کی سازشیں کی گئیں۔ یہاں تک کہ اردو کو خالص مسلمانوں سے جوڑنے کی مذموم کوششیں بھی کی گئیں۔ اور ساتھ ہی فرقہ وارنہ بنیادوں پر ملک بدر کرنے کی منظم سازش بھی کی گئی۔ لیکن یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ اُردو زبان اتنی سخت جاں ہے کہ اتنے ستم سہنے کے باوجود دن بہ دن اس کی مقبولیت میں اضافہ ہو رہا ہے جو ایک زندہ زبان کی علامت تصور کی جاتی ہے۔ بقول شاعر ؎

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اُردو زبان اپنی، اُردو ہے جان اپنی
اُردو ہے غیر فانی، اُردو ہے جیسے پانی

جہاں تک ریاست میں اُردو زبان کی ترقی وترویج کی بات ہے یہاں سرکاری طور پر کبھی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی گئی۔ اردو زبان کی سب سے بڑی بدنصیبی یہ ہے جب بھی کوئی سرکاری حکم نامہ اردو کے حق میں جاری کیا جاتا ہے تو وہ ایک پریس ریلیز سے آگے نہیں بڑھ پاتا ہے۔ اردو یہاں سرکاری زبان ہو کر بھی کہیں رائج نہیں۔ سرکاری اور نیم سرکاری اداروں میں اب انگریزی کی اجارہ داری ہے۔ نام نہاد سرکاری آفیسر اردو میں کارروائی لکھنا ہتک آمیز سمجھتے ہیں۔ اگرچہ ۱۹۵۸ء میں کلچرل اکادمی نامی ادارہ قائم کیا گیا۔ لیکن اس ادارہ کی ترجیحات میں زبان، موسیقی، مصوری اور سنگ تراشی سبھی یکسان طور پر شامل کئے گئے۔ زبانوں میں کشمیری، ڈوگری، پنجابی، پہاڑی اور بلتی کے ساتھ ساتھ اردو کو بھی شاملِ فہرست رکھا گیا۔ اس لئے ظاہر ہے کہ اکادمی صرف اردو زبان کے لئے کوئی خاص کارنامہ انجام دینے سے قاصر ہے۔ اس کے علاوہ ریڈیو اور ٹی۔ وی ایسے ادارے ہیں، جو اردو کی ترقی وترویج میں اہم رول ادا کر سکتے ہیں لیکن وہاں سرکاری پروپگنڈہ اور لابی ازم کا ایسا جال پھیلا ہے کہ اردو کی آواز دب کر رہ گئی ہے۔ جہاں تک کشمیر یونیورسٹی کے شعبہ اردو کا تعلق ہے وہاں اردو زبان وادب کو نصابی صورت دیکر طلباء کو پڑھایا جاتا ہے جو صرف کتابوں تک محدود ہوتا ہے۔ اب رہی بات غیر سرکاری تنظیموں کی، تاریخ گواہ ہے کہ یہ نام نہاد تنظیمیں اگرچہ اردو کی ترقی وترویج کی بناء پر وجود میں آتی ہیں، لیکن جب عملاً کوئی اقدام کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی تو پریس نوٹ کے علاوہ کوئی اطمینان بخش کارروائی منظر عام پر نہیں آتی۔ ریاست میں ایک صدی اردو کا چلن ہونے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کے باوجود یہاں کوئی ادبی رسالہ مستقل مزاجی کے ساتھ شائع نہ ہوسکا، اس کے برعکس ریاستِ بہار کو دیکھیں، تو وہاں اردو دوسری سرکاری زبان ہے پھر بھی وہاں اردو کے کئی ادبی رسالے ماہنامہ اور سہ ماہی نکل رہے ہیں لیکن افسوس ہماری ریاست اس نعمتِ مترقبہ سے محروم ہے۔

ریاست میں اردو کی ترقی وترویج کے لئے ضروری ہے کہ سرکاری سطح پر فوری اقدامات کئے جائیں تاکہ اردو زبان کی بنیادیں مستحکم اور مضبوط ہوجائیں۔ ورنہ وہ دن دور نہیں جب اردو زبان شعروادب کے دامن میں سمٹ کر رہ جائیگی۔ جو ایک زبان کے لئے سمِ قاتل ہے۔ ماہرین لسانیات کے نزدیک وہی زبان پروان چڑھتی ہے جس کو عوامی مقبولیت حاصل ہو۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

تخلیقی عمل کے پیچ وخم

ہر قلم کار کے تخلیقی تجربے اپنی اپنی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ کسی کو مخصوص اوقات ہی راس آتے ہیں تو کوئی خاص واقعہ سے متاثر ہو کر لکھتا ہے۔ کوئی آمد کا متلاشی ہوتا ہے تو کوئی آورد کی مشق وممارست میں محو ہوتا ہے۔ کوئی حظ ولطف کے لئے لکھتا ہے تو کوئی اپنے تجربات کو دلچسپ انداز میں لکھ کر قارئین کی داد و دہش کا آرزومند ہوتا ہے۔ کوئی تخلیق کے لئے مطالعہ کو ضروری گردانتا ہے تو کوئی مشاہدہ کے عمل کو تخلیق کی اساس مانتا ہے، کوئی ادب کو برائے ادب، تو کوئی ادب برائے زندگی کا نظریہ اپناتا ہے۔ غرض ہر کوئی کسی نہ کسی مقصد کے تحت ہی تخلیق کو معرض وجود میں لاتا ہے۔

جب مختلف مشاہیر کی تخلیقات کے محرکات سامنے آتے ہیں تو عجیب وغریب باتیں سننے کو ملتی ہیں۔ منشی پریم چند نے ''نیرنگِ خیال'' کے مدیر حکیم یوسف حسن کو اپنے افسانوں کی وجہ تخلیق بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میرے قصے اکثر کسی نہ کسی مشاہدے یا تجربے پر مبنی ہوتے ہیں۔ اس میں ڈرامائی کیفیت پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہوں مگر محض واقعے کے اظہار کے لئے کہانیاں نہیں لکھتا۔ میں اس میں کسی فلسفیانہ یا جذباتی حقیقت کا اظہار کرنا چاہتا ہوں، جب تک اس قسم کی کوئی بنیاد نہیں بنتی، میرا قلم ہی نہیں اٹھتا۔ منٹو نے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بیدی کو ذاتی خط میں لکھا کہ ''بیدی، تمہاری مصیبت یہ ہے کہ تم سوچتے بہت زیادہ ہو، معلوم ہوتا ہے کہ لکھنے سے پہلے سوچتے ہو، لکھتے ہوئے سوچتے ہو اور لکھنے کے بعد بھی سوچتے ہو۔'' بیدی کہتے ہیں کہ میں سمجھ گیا کہ منٹو کا کیا مطلب ہے کہ میری کہانیوں میں کہانی کم اور مزدوری زیادہ ہے۔ بیدی مزید لکھتے ہیں کہ مجھے تخیل فن پر یقین ہے، جب کوئی واقعہ مشاہدے میں آتا ہے تو میں من وعن بیان کر دینے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ حقیقت اور تخیل کے امتزاج سے جو چیز پیدا ہوتی ہے اسے احاطہ تحریر میں لانے کی کوشش کرتا ہوں۔ منٹو اکثر کہتے تھے کہ وہ کبھی کبھی سوچے بغیر کسی فرضی کردار کے بارے میں ایک جملہ لکھ دیتے ہیں، پھر اسی کردار سے احوال دریافت کر کے افسانہ لکھتے چلے جاتے ہیں۔ کبھی کبھار افسانہ کا کردار میری مرضی سے چلنے سے انکار کر دیتا، تو میں اس کو کردار کی نفسیات کے مطابق ہی انجام تک لے جاتا، جس سے کہانی پیچیدہ بھی بن جاتی۔ منٹو کے متعلق مشہور ہے کہ وہ فحش نگار تھا۔ اس کی کہانیاں جنس پر مبنی ہوتی ہیں۔ منٹو کی سوچ عام تخلیق کار سے بہت مختلف تھی وہ احمد ندیم قاسمی کو ایک خط میں صاف لفظوں میں لکھتے ہیں کہ پتی ورتا استریوں اور نیک دل بیویوں کے بارے میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اب ایسی داستانیں فضول ہیں، کیوں نہ اسی عورت کا دل کھول کر بتایا جائے جو اپنے پتی کی آغوش سے نکل کر دوسرے مرد کی بغل گرما رہی ہو اور اس کا پتی کمرے میں بیٹھا سب کچھ دیکھ رہا ہو۔ گویا کچھ ہو ہی نہیں رہا ہو۔ زندگی کو اس شکل میں پیش کرنا چاہیے۔ منٹو کو اس قسم کی کہانیاں لکھنے پر بہت لعن وطعن بھی سہنا پڑا، لیکن اس نے اپنی روش آخر تک نہیں چھوڑی۔

غلام عباس ایک بار جاڑوں کی رات میں اوور کوٹ کے نیچے صرف بنیائن پہنے ہوئے سیر کو نکلتے ہیں تو انہیں راستہ میں یہ خیال آتا ہے کہ اگر اس وقت وہ کسی حادثے کا شکار ہو جائیں اور ان کا اوور کوٹ اتار دیا جائے تو کیسا رہے؟ اس لطیفہ آمیز خیال نے ان

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

سے ایک شاہکار افسانہ ''اورکوٹ'' لکھوایا۔ رومانی افسانہ نگار سلطان حیدر جوش اپنی افسانہ نگاری کے متعلق لکھتے ہیں کہ میں نے ہمیشہ افسانہ اس وقت لکھا، جب خود بخود میری طبیعت میں اس کے لکھنے کی تحریک پیدا ہوئی۔ کبھی یہ تحریک دفعتاً وجود میں آئی اور کبھی مہینوں میں اس حد تک پہنچی کہ میں پوری طرح اس کو محسوس کر سکا۔ اس تحریک کے وجود میں آنے کے اسباب بھی مختلف ہوئے۔ کبھی صحبتِ احباب، کبھی ریل کا سفر، کبھی کسی مقام کی سیر اور کبھی کسی غیر معمولی واقعہ کا مشاہدہ۔ ایسی تحریک کے پیدا ہو جانے کے بعد دوسرا مرحلہ اس کے اظہار کے لئے افسانہ بنانا ہے۔ یہ مرحلہ اکثر و بیشتر میں نے رات کی تنہائی میں اور کچھ نہیں تو حقے کی امداد سے پلنگ پر لیٹے ہوئے طے کیا۔ واقعہ یہ ہے کہ تحریکِ صادق کے ساتھ محض ایک خیال، ایک مخصوص جملہ، ایک غیر معمولی تصویر یا ایک نیا مصالحہ دماغ میں جاگزیں ہو جاتا ہے۔ اس مخصوص تحریک کو افسانے کے سانچے میں ڈھالنا بالکل ایسا ہی کام ہے جیسے گوندھی ہوئی مٹی سے مختلف اقسام کے رنگ برنگے کھلونے بنانا ہے۔ ممتاز شریں مانتی ہیں کہ میرے افسانے، میرے احساسات کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ اور میرے احساسات زندگی کی تلخیوں سے بھرپور، جو کچھ دیکھتی اور سنتی ہوں، وہی کچھ اپنے افسانوں میں سمونے کی کوشش کرتی ہوں۔ تخیلی دنیا میں کھو جانا مجھے پسند نہیں۔ مشاہدات کی تصویر کشی میرا مسلک ہے چونکہ میں مشرقی ہوں اس لئے مشرق اور خصوصیت کے ساتھ ہندوستانی ماحول میرے پیشِ نظر رہتا ہے۔ افسانہ اسی وقت لکھتی ہوں جب شدت کے ساتھ کسی چیز کو محسوس کروں۔ میرے نزدیک وہی افسانہ، افسانہ ہے جو حقیقت سے قریب ہو۔ روسی ناول نگار ٹالسٹائی پر عالمی شہرت یافتہ ناول '' جنگ اور امن'' کسی آسمانی کتاب کی طرح نازل نہیں ہوا۔ اسے لکھنے کے لئے ٹالسٹائی نے بے پناہ ریاضت کی۔ اس نے نپولین کے حملے کے بارے میں تاریخ کی کتابیں، روسی جرنیلوں کی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

یادداشتیں، فوجی افسران کے درمیان خط و کتابت اور اس عہد کے اخبار، رسائل اور جرائد پڑھنے شروع کیے۔ غرض ہزارہا صفحوں پر پھیلا ہوا سامان اس نے پڑھ ڈالا۔ وہ ان روسی بوڑھوں سے جا کر ملا، جو نپولین کی افواج سے مختلف محاذوں پر لڑے تھے۔ وہ ان میدانوں میں گیا جہاں روسی اور فرانسیسی فوجوں کی لڑائیاں ہوئیں تھیں۔ اس نے میدان کی مٹی اُٹھا کر اُس کا رنگ دیکھا، اُسے سونگھا۔ مٹی کی سگندھ میں فتح و شکست کے رنگ یکجا تھے۔ وکٹر ہیوگو کو نوتر دام کے قدیم کلیسا کی دیوار پر کسی نامعلوم آدمی کا مدتوں پہلے لکھا ہوا ایک لفظ ''مشیت'' نظر آیا، تو وہ سوچنے لگا یہ لفظ یہاں کس نے، کب اور کیوں لکھا ہوگا۔ یہ خیال اس کے مشہور ناول ''پیرس کا نوتر دام'' کی بنیاد بن گیا۔

عصمت چغتائی لکھتی ہیں ''تنہائی میں لکھنے کی عادت نہیں، چونکہ کبھی نصیب ہی نہیں ہوئی۔ شور مچتا ہوتا ہے، ریڈیو بجتا ہوتا ہے اور بچے کشتیاں لڑتے جاتے ہیں اور میں لکھتی ہوں۔ مشہور صحافی علی محمد جوہر نے ایک دفعہ طویل اداریہ لکھا، تو کسی نے پوچھا اس خیال کو آپ مختصر بھی لکھ سکتے تھے، تو انہوں نے در جواب کہا کہ مختصر لکھنے کے لئے کافی وقت درکار ہوتا ہے جو میرے پاس نہیں تھا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اردو والوں کے بارے میں چند غلط فہمیاں

غیر اردو داں طبقہ خصوصاً سائنس اور دیگر شعبہ جات سے وابستہ افراد اردو کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں۔اس کے بارے میں حتمی رائے دینا قبل از وقت ہوگا۔لیکن اکثر و بیشتر مجھے جس صورت حال سے واسطہ پڑتا ہے اس سے یہی بات مترشح ہوتی ہے کہ شاید غیر اردو داں طبقہ اردو والوں کو دنیا و مافیہا سے بے خبر، سائنس اور ٹیکنالوجی سے نابلد اور کمپیوٹر اور انٹرنیٹ سے ناآشنا سمجھتا ہے۔

اسی طرح کا ایک واقعہ میرے ساتھ بھی پیش آیا۔یونیورسٹی کی ایک محفل میں اردو کے متعلق بات چل رہی تھی تو وہاں بیٹھے سامعین میں ایک شخص بڑے طمطراق سے اردو والوں کی کم مائیگی پر استہزایہ انداز میں گل افشانی فرما رہے تھے کہ اردو کے اسکالروں کو سوائے غالبؔ اور اقبال کے کچھ نہیں آتا ہے۔میں نے نہایت ادب کے ساتھ استفسار کیا۔قبلہ آپ کس شعبہ سے تعلق رکھتے ہیں،انہوں نے فخراً جواب دیا کہ وہ

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

sociology کے اسکالر ہیں، مزید تفصیل دیتے ہوئے کہا کہ ہماری ریسرچ زیادہ فیلڈ ورک پر مبنی ہوتی ہے کیونکہ ہمارا واسطہ سماج کے ہر طبقہ کے لوگوں سے پڑتا ہے۔ آپ کی طرح اقبال یا غالبؔ کے اشعار کی تشریح نہیں کرنی ہوتی ہے۔ جس انداز سے انہوں نے یہ بات کہی مجھے بہت برا لگا۔ اور میں نے جواباً اس کہا کہ sociology کی بنیاد اصل میں سوسیئر کے نظریۂ لسان کی دین ہے۔ میرے منہ سے سوسیئر کا نام سن کر وہ حیرت و استعجاب سے کہنے لگے کہ آپ نے سوسیئر کا نام کہاں سے سنا ہے۔

جب میں نے کہا کہ آپ لوگ خواہ مخواہ اردو والوں کو کم مایہ اور تنگ نظر سمجھتے ہیں، جبکہ ہمارے نصاب میں باضابطہ سوسیئر کا نظریہ لسان، ژاک دریدا کا تصور رد تشکیل (De construction)، رولاں بارتھ کا ساختیات (Structuralism)، لیوی اسٹراس کا نظریہ متن (Textuality) اور رومن جیک سن کی ہیئت پسندی پڑھائی جاتی ہے تو وہ حیران و ششدر مجھے گھورنے لگا۔

اس کے جانے کے بعد مجھے اس بات کا شدید احساس ہوا کہ غیر اردو داں طبقہ خصوصاً نئی نسل ہمارے متعلق کیا رائے رکھتی ہے۔ جبکہ تاریخ گواہ ہے کہ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد میں ہر شعبہ کے نصاب کو اردو میں پڑھا جاتا تھا۔ عصری تقاضوں کے تحت اردو میں ہر قسم کے تجزیئے کئے جاتے تھے، لیکن افسوس اب اردو کی اسامی کے لئے ہر ایرے غیرے نتھو خیرے کو مناسب سمجھ کر اردو کی ذمہ داری سونپی جاتی ہے۔ جبکہ دیگر شعبہ جات میں مناسب شخص کی تلاش کی جاتی ہے۔ میں یہاں پر ایک چھوٹی مثال دینا چاہوں گا کہ اب پرائیویٹ سکولوں میں اردو پڑھانے کے لئے مولوی صاحبان کو بھی موزوں سمجھا جاتا ہے۔ اس بات میں کوئی دو رائے نہیں کہ ان مولوی صاحبان کو مدرسوں میں اردو زبان بولنے کا زیادہ موقعہ ملتا ہے لیکن جہاں اردو زبان و ادب کو پڑھانے کا سوال ہے تو خالص اردو زبان سے واقفیت کافی نہیں۔ جس طرح انگریزی بولنے والا سائنس یا تاریخ نہیں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

پڑھا سکتا، اسی طرح خالص اردو بولنے والا ادب نہیں پڑھا سکتا، جب تک اس نے کما حقہ ادب کا مطالعہ نہ کیا ہو۔

ہر مضمون کا اپنا weightage ہوتا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے کتنے genuius پیدا کئے۔ اس حوالے سے اردو کسی بھی مضمون سے پیچھے نہیں۔ اردو نے ہمیں سرسید جیسی عبقری شخصیت عطا کی۔ جن کی کوششوں سے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی معرض وجود میں آئی۔ اردو نے ہمیں غالبؔ، اقبالؔ اور انیسؔ جیسے نابغہ روزگار شاعر عطا کئے۔ جن کو سموئل نیلسن کی شہرۂ آفاق کتاب ''The Hundred'' میں دنیا کے سو بڑے آدمیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اردو نے ہمیں مولانا ابوالکلام آزاد اور ڈاکٹر ذاکر حسین جیسے دانشور دیئے۔ ریاستی سطح پر اگر دیکھا جائے تو برصغیر کی مشہور و معروف شخصیت حامدی کاشمیری بھی اردو کی دین ہیں۔ اب اگر علاقوں کی بات کی جائے تو اردو کا کوئی خاص علاقہ نہیں، لیکن جب اردو بولنے اور سمجھنے والوں کو دیکھا جائے تو وہ دنیا کے ہر کونے میں ملیں گے۔ برصغیر ہند و پاک کی بات ہی نہیں بلکہ وہ امریکہ ہو یا کینیڈا، برطانیہ ہو یا چین، عرب ممالک ہوں یا دیگر ممالک، ہر طرف اردو بولنے والے ملیں گے۔ شاید اسی مقبولیت کو دیکھ کر مرحوم داغ فرما گئے ہیں

اردو ہے نام جس کا ہمیں جانتے ہیں داغؔ
سارے جہاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کشمیر میں اُردو

کشمیر میں اُردو کے حوالے سے جو دو ضخیم کتابیں ضبط تحریر میں لائی گئیں ہیں، وہ حبیب کیفوی اور پروفیسر عبدالقادر سروری نے ایک ہی دور میں مرتب کیں ہیں۔ حبیب کیفوی کی کتاب لاہور سے اور سروری کی کتاب کلچرل اکادمی سے ستر کی دہائی میں شائع ہوئیں۔ اتفاق کی بات یہ ہے کہ دونوں ادیبوں نے کشمیر کے اردو زبان وادب کا تذکرہ ایک ہی عنوان ''کشمیر میں اردو'' کے تحت لکھا۔ دونوں ایک دوسرے سے واقف تھے، دونوں کے درمیان خط وکتابت کا سلسلہ بھی چل پڑا تھا چونکہ حبیب کیفوی سرحد کے پار پاکستان میں مقیم تھے اور ہندو پاک کے درمیان ہر دم بگڑتے حالات کی وجہ سے دونوں کے درمیان رابطہ منقطع ہوگیا۔ سروری صاحب نے حبیب کیفوی کو ایک طویل خط لکھا، جس میں ایسے شعراء کے متعلق مواد بھیجنے کی درخواست ہے جن کے بارے میں بہت کم معلومات میسر ہیں۔ یہ خط اس حوالے سے بھی اہم ہے کہ ایک تاریخ داں دوسرے تاریخ داں کو خط لکھ کر کس طرح معلومات حاصل کرنے کا خواہاں نظر آتا ہے۔

پوسٹ گریجویٹ شعبہ اُردو
جموں وکشمیر یونیورسٹی، سری نگر
مورخہ 16 مارچ 1968

مکرمی!

آپ کا کرم نامہ مورخہ 9 فروری 68ء، مجھے 12 مارچ 68ء کو میرے حیدر آباد سے سرینگر لوٹنے کے بعد ملا۔ یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ آپ جموں وکشمیر کے شعراء

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کا تذکرہ مرتب فرمارہے ہیں۔ مجھے قوی امید ہے کہ جموں وکشمیر سے آپ کے تعلق کے مد نظر یہ کام بہت خوش اسلوبی سے انجام پائے گا۔ میں ریاست جموں وکشمیر میں اردو ادب کی تاریخ مرتب کررہا ہوں اور خدا کے فضل سے بہت سا مواد اکٹھا کرلیا ہے۔ انشاء اللہ چار چھ مہینے میں کام مکمل ہوجائے گا۔ آپ جن شعراء کے بارے میں مواد بھیجنے کے لئے لکھا ہے میں کچھ تو فراہم کرکے اور کچھ اپنے پاس سے بھیجتا ہوں۔ یہاں نوجوان نسل کشمیری کی اتنی دلدادہ ہورہی ہے کہ اردو سے توجہ ہٹتی جارہی ہے اس لئے میری تلاش اور کوشش کے باوجود بھی کئی لکھنے والوں کے بارے میں اطمینان بخش مواد نہ مل سکا۔

آپ کے خط سے مجھے کئی شعراء کے نام اور معلوم ہوئے۔ ان کے نام میں نیچے لکھ رہا ہوں۔ ان کے بارے میں آپ کچھ معلومات فراہم کرسکیں تو میں آپ کا ممنون ہوں گا۔ وشوناتھ درما، ان کا کلام آپ کے پاس کچھ ہو تو روانہ فرمائیں۔ میں ان کے حالات بھجوانے کی کوشش کرتا ہوں۔ راؤ پریتم چند ضیاؔء، جوالا سہائے شوقؔ، شاد جموں، اقبال کشن در، راجہ شیر علی خان بسملؔ تحسین جعفری، جمیل نظامی، غلام حیدر خان چشتی، مولوی حسن محمد، میر خورشید، خلیفہ عبدالحکیم، آنند لعل رتن، شیخ غلام حسین رسؔا، رعنا نظامی، شجر طہرانی، ضیاالحسن ضیا، میرا یعقوب بیگ، طالب گورگانی، عبدالعزیز ظہیر، شیخ فقیر علی عاقلؔ، پیر نجم الدین عشرتؔ، منشی مجاہدالدین فوقؔ، مولوی سید یوسف شاہ، فارغ قمر قمر ازی، قیس شیروانی، حبیب اللہ کوثر، میرزا مبارک بیگ مبارکؔ، منشی غلام نبی مسکین، منصور احمد ندیمؔ، نسیم رضوی، نیاز کاشمیری، احمد شمیم، ہدایت اللہ اختر، امین طارق، الطاف قریشی، انجم خیالی، رحمت اللہ رعد، سعید خاں سعیدؔ، سید مبارک علی شاہینؔ، صابر آفاقی، صبا عیسائی، غنی، میر عبدالعزیز، آذر عسکری اور خود آپ کے حالات اور کلام۔

یہ فہرست طویل ہوگئی لیکن چونکہ آپ کے پاس مواد موجود ہے اس لئے اس کے نقل کروانے میں زیادہ دقت نہ ہوگی۔ ان کے مختصر حالات اور تھوڑا نمونہ کلام کافی ہوگا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

صاحبزادہ عبدالرحمان زکی کے حالات آپ کو صاحبزادہ حسن شاہ سے معلوم ہوسکیں گے۔ وہ حسن شاہ کے چچا ہوتے ہیں۔ چودھری خوشی محمد ناظر کے حالات مجھے نہ مل سکے اور ان کی نظم ''جوگی نامہ'' بھی نہ مل سکی۔ کچھ حالات اور نظم کا اقتباس مل سکے تو عنایت ہوگی۔

کلچرل اکادمی کی مطبوعات کی فہرست روانہ کرتا ہوں۔ میں نے یہاں آنے کے بعد دو کتابیں لکھی ہیں ایک ''کشمیر کے دو ادیب، دو بھائی''، جو پنڈت ہرگوپال خستہ اور پنڈت سالک رام سالک کے حالات اور کارناموں کے بارے میں ہے اور دوسری ''کشمیر میں فارسی ادب کی تاریخ''۔ یہ دونوں کتابیں چھپ گئیں ہیں۔

اپنی طرف سے زحمت کی معافی چاہتا ہوں۔ اس کو نماز بخشوانے گئے تو روزے گلے پڑنے والا معاملہ نہ سمجھیں۔

خیر و عافیت کا متمنی
عبدالقادر سروری

کاش حالات سازگار ہوتے تو سروری صاحب ضرور متذکرہ شعراء کے بارے میں لکھتے۔ لیکن اس سے بڑھ کر افسوس کا مقام کیا ہوگا۔ کہ آج تک ان دو ادیبوں کے بعد کسی نے بھی اس موضوع پر سنجیدگی سے کام نہیں کیا۔ اگرچہ کچھ مضامین موضوع کی مناسبت کے حوالے سے ضرور لکھے گئے لیکن ان میں بھی موضوع اور مواد کے اعتبار سے کوئی خاص اضافہ نہ ہوا۔ جہاں تک ان دو تاریخوں کا تعلق ہے یہ ستّر کی دہائی تک محدود ہیں جبکہ ستّر کے بعد ''کشمیر میں اردو'' کے حوالے سے بہت سی ایسی تبدیلیاں رونما ہوئیں جن کو ضبط تحریر میں لانا ضروری ہے ورنہ نئی نسل اس دور سے نابلد رہے گی۔ اس لئے ضرورت یہ ہے کہ کشمیر کے کہنہ مشق شعراء و ادیب اس طرف توجہ دیں۔ اور کسی ایسے شخص کا انتخاب کیا جائے جس کو ''کشمیر میں اردو'' کے حوالے سے عمیق مطالعہ اور گہرا مشاہدہ ہو تاکہ دونوں کتابوں پر محاکمہ کرتے ہوئے ایک نئی تاریخ مدون و مرتب ہو سکے۔

✿✿✿

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

پھر مدد کرنا ابابیلوں کا لشکر بھیجنا

رواں ہفتے میں کشمیر یونیورسٹی کے اقبال انسٹی ٹیوٹ میں مرحوم حکیم منظور کی یاد میں دوروزہ سمینار منعقد ہوا، جس میں مختلف اہل قلم حضرات نے بصیرت آموز مقالے پڑھے، لیکن جب میں وہاں پہنچا تو مشعل سلطان پوری صاحب ایک پُر مغز مقالہ پڑھ رہے تھے کہ مجھے اچانک ایک ایسی محفل یاد آگئی، جب کشمیر کے مشہور مزاحیہ شاعر مرحوم قاضی غلام محمد کی یاد میں کلچرل اکادمی نے ایک سمینار کیا تو حکیم منظور صاحب نے غصہ میں کہا کہ ہماری قوم مردم شناس نہیں بلکہ مردہ شناس ہے ادیب یا شاعر کو زندگی میں کوئی نہیں پوچھتا، بلکہ مرنے کے بعد اس کے مراتب بلند کئے جاتے ہیں۔ کاش حکیم صاحب مشعل سلطان پوری کا مقالہ سنتے، تو وہ خوشی سے پھولے نہ سماپاتے کہ سچ مچ آج ان کے مراتب بڑھا چڑھا کر پیش کئے گئے۔

حکیم منظور قاضی صاحب کا ذکر کرتے ہوئے آبدیدہ ہوگئے کہ کشمیری قوم نے کیسا جینوئن شاعر فراموش کر دیا۔ یہ وہی قاضی غلام محمد ہیں جنہوں نے اختر شیرانی کی مشہور نظم ''اودیس سے آنے والے بتا'' کی پروڈی لکھ کر ایک تاریخ رقم کی ہے۔

کیا اب بھی وہاں ہر گنجا سر، اسکالر سمجھا جاتا ہے
کیا اب بھی وہاں کا ہر ایم اے۔ غالبؔ پر کچھ فرماتا ہے
اور جہل کی ظلمت میں کھو کر اقبالؔ سے بھی ٹکراتا ہے
اودیس سے آنے والے بتا، اودیس سے آنے والے بتا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

حکیم منظور اور قاضی غلام محمد کے متعلق ایک واقعہ بہت ہی مشہور ہے کہ جب قاضی صاحب کی اہلیہ، جو یونیورسٹی میں قائم گورنمنٹ سکول میں استانی کی حیثیت سے تعینات تھیں، کے تبادلے کی افواہ پھیلی تو قاضی صاحب نہایت غمگین ہوئے۔ انہوں نے حکیم منظور کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کیا۔ ان دنوں حکیم منظور ڈائریکٹر ایجوکیشن کے عہدے پر فائز تھے، جس میں انہوں نے علامہ اقبال کا ایک شعر برجستہ رقم کیا۔

حادثہ جو ابھی پردۂ افلاک میں ہے
عکس اس کا میرے آئینہ ادراک میں ہے

جواباً حکیم منظور صاحب نے بھی اقبال کا شعر در جواب لکھا۔

کھول آنکھ، زمین دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ
مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ

اس طرح پھر کبھی قاضی صاحب کی اہلیہ کا ٹرانسفر نہیں ہوا۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے جب میں فسٹ ایئر کا طالبِ علم تھا تو ہمارے نصاب میں حکیم منظور کی چار غزلیں تھیں۔ جوں ہی ہم نے پہلی غزل کی تشریح و تعبیر کرنی شروع کر دی، تو جس شعر پر ہمارے استاد نے تلمیح کے طور پر قران کریم سے حوالہ دیا۔ وہ شعر آج بھی مجھے اچھی طرح ازبر ہے۔

اب کے میرا کعبۂ دل دشمنوں کی زد میں ہے
پھر مدد کرنا ابابیلوں کا لشکر بھیجنا

اس شعر کے بعد گویا حکیم صاحب سے بالمشافہ ملاقات کرنے کا اشتیاق بڑھ گیا۔ میں نے بارہا حکیم صاحب کو ادبی محفلوں میں صدارت کرتے دیکھا لیکن کبھی بھی ہمت نہیں ہوئی کہ میں ان سے چند باتیں کر سکوں۔ پھر جب میں نے یونیورسٹی میں داخلہ لیا تو اچانک ایک دن معلوم ہوا کہ حکیم صاحب اقبال انسٹی ٹیوٹ میں ''یوم اقبال'' کے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

موقعہ پر اقبال کے متعلق اپنے تاثرات بیان فرمارہے ہیں، تو میں بھی چند دوستوں کے ساتھ سمینار میں شریک ہوا۔ حکیم صاحب اس وقت اقبال کی شب بیداری کا ذکر کررہے تھے، کہ اقبال قرآن پڑھتے ہوئے اتنے روتے کہ قرآن پاک کے اوراق آنسوں سے تر ہوتے، یہ کہتے ہوئے حکیم صاحب خود رونے لگے۔ جس سے پوری محفل میں عجیب کیفیت طاری ہوگئی۔ جب سمینار اختتام پر پہنچا تو میں نے حکیم منظور سے آٹوگراف لینے کی غرض سے اپنی ڈائری آگے بڑھادی۔ تو انہوں نے بڑی خندہ پیشانی سے علامہ اقبال کا ایک قطعہ لکھا، جو شاید میرے لئے کسی قیمتی تحفہ سے کم نہیں۔

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کردے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں
تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو
کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

شعروں کے انتخاب نے.....!!

1

گرتے ہیں شہ سوار ہی میدانِ جنگ میں
وہ طفل کیا گرے جو گھٹنوں کے بل چلے

اردو ادب میں کئی قلمی معرکے ہوئے ہیں جن میں انشاؔ و مصحفیؔ، ناسخؔ و آتشؔ، چکبستؔ و شررؔ وغیرہ بہت ہی مشہور ہیں اسی طرح کا ایک دلچسپ معرکہ انشاؔ اور عظیمؔ بیگ دہلوی کے درمیاں بھی ہوا ہے۔ ہوا یہ کہ ایک دن مرزا عظیم بیگ دہلوی نے بحر رجز میں ایک غزل لکھی چونکہ ان کی زیادہ توجہ مضمون و معانی پر مرکوز تھی اس لئے مذکورہ بحر کا زیادہ خیال نہ رہا اور کچھ شعر بحر رمل میں موزوں ہو گئے، جب یہ غزل مکمل ہو گئی تو انہوں نے اپنے دوستوں کو بڑے فخر کے ساتھ سنائی۔ اتفاق سے اس وقت انشاؔ وہیں موجود تھے۔ انہوں نے اس فرق کو محسوس کر لیا اور حریفانہ انداز میں اس کی خوب بڑھ چڑھ کر داد دی اور غزل مکرّر پڑھوایا۔ یہ تمام اشعار ان کے ذہن نشین بھی ہو گئے۔ پھر چند روز بعد انشاؔ نے برسرِ مشاعرہ عظیمؔ کی فاش غلطی کا بھانڈہ پھوڑ دیا۔ مشاعرہ عام میں عظیمؔ جیسے خود پسند شاعر کے لئے یہ سبکی کچھ کم نہ تھی اور ادھر انشاؔ نے محض اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس موقع کے لئے ایک مخمس بھی لکھ کر لائے تھے۔ جو بھرے مشاعرے میں عظیمؔ کو مخاطب کر کے پڑھ دیا۔ اس مخمس کا مشہور بند یوں ہے:

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

گر تو مشاعرے میں صبا آج کل چلے
کہیو عظیم سے کہ ذرا وہ سنبھل چلے
اتنا بھی حد سے اپنی نہ باہر نکل چلے
پڑھنے کو شب جو یار غزل در غزل چلے
بحر رجز میں ڈال کے بحر رمل چلے

عظیم نے بھی اس مخمس کا جواب مخمس سے ہی دیا، جس میں مذکورہ ضرب المثل شعر اس طرح درج ہے۔

شہ زور اپنے زور میں گرتا ہے مثل برق
وہ طفل کیا گرے جو گھٹنوں کے بل چلے

(بحوالہ ''اُردو کے ادبی معرکے (جلد دوئم)، ڈاکٹر محمد یعقوب عامر، ترقی اردو بیورو نئی دہلی، ۱۹۸۲، ص ۸۲)

حنیف نقوی نے اس کا پہلا مصرع یوں لکھا ہے:

ع گرتے ہیں اپنے زور میں شہ زور مثل برق

(بحوالہ ''غالب سے منسوب ایک شعر''، حنیف نقوی، مطبوعہ ''آجکل''، شمارہ دسمبر، ۱۹۸۰، صفحہ نمبر ۲۲)

لیکن عام طور پر اس شعر کا متن یوں مشہور ہے:

گرتے ہیں شہ سوار ہی میدانِ جنگ میں
وہ طفل کیا گرے گا جو گھٹنوں کے بل چلے

2

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی
دوانا مر گیا آخر کو ویرانے پہ کیا گزرا

اٹھارھویں صدی کے وسط میں بنگال میں پلاسی کی جنگ میں والیٔ بنگال نواب سراج الدولہ کی شہادت پر فارسی کے مشہور شاعر راجہ رام نرائن موزوں نے اردو میں یہ شعر

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

فی البدیہہ کہا، جو اتنا مشہور ہوا کہ ضرب المثل کی شکل اختیار کر گیا۔ اکثر حضرات شعر میں ''گذرا'' کی جگہ ''گذری'' پڑھتے ہیں۔

راجہ رام نرائن موزوں پٹنہ (بہار) کے گورنر تھے، شاعری میں فتح علی حزین کے شاگرد تھے، آخری وقت تک نواب سراج الدولہ کے وفادار بن کر رہے۔ لیکن نواب میر محمد قاسم کے دور میں ایک جرم کی پاداش میں 1763 میں دریائے گنگا میں غرق کر دیئے گئے۔

(بحوالہ ''تذکرہ شعرائے اُردو''، مولف میر حسن، بہ تصحیح وتنقید مولانا حبیب الرحمن خاں شیروانی، انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی، ۱۹۴۰، ص ۱۵۰)

3

چند تصویر بتاں چند حسینوں کے خطوط
بعد مرنے کے مرے گھر سے یہ ساماں نکلا

اس شعر کو غالبؔ کی ملکیت سمجھا جاتا ہے جبکہ اس شعر کی تحقیق میں حنیف نقوی یوں رقم طراز ہیں:۔

''یہ شعر میر شکوہ آبادی کے پوتے عاشق حسین بزم اکبر آبادی کی تصنیف ہے اور جس غزل سے متعلق ہے وہ اگست ۱۹۱۰ سے قبل کہی گئی تھی۔ راقم السطور کو یہ غزل ایک قدیم گلدستے ''آئینہ مشاعرہ'' میں دستاب ہوئی ہے جو ۱۸ اگست ۱۹۱۰ء کو بھوپال میں مولانا محمد اسمٰعیل کے مکان پر منعقد ایک یادگار طرحی مشاعرے کی غزلوں پر مشتمل ہے اور منشی عبدالعزیز خاں کے زیر اہتمام عزیزی پریس آگرہ میں چھپ کر شائع ہوا ہے۔ منتظمین کی دعوت پر اس مشاعرے کے لئے باہر سے متعدد شعراء غزلیں کہہ کر بھیجی تھیں جو وقت مقررہ پر سر محفل پڑھ کر سنائی گئیں۔ مرتب گلدستہ سرور قادری بدایونی نے ابتداء میں اختصار کے ساتھ ان بیرونی شعرا کا تعارف کرایا ہے۔ بزم اکبر آبادی بھی شعراء کے اسی زمرے میں شامل تھے۔ ان کے متعلق جناب قادری نے لکھا ہے ''مرزا عاشق حسین صاحب اکبر آبادی، نبیرہ سنیر مرحوم، آپ کہنہ مشق

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

شاعر اور صاحب دیوان ہیں۔ آپ کا کلام بہت پر مغز ہے۔ فی الحال ریاست رام پور میں درباری شاعر ہیں''

(بحوالہ:۔ ''غالب سے منسوب ایک شعر''، حنیف نقوی، مطبوعہ ''آجکل'' شمارہ دسمبر، ۱۹۸۰، صفحہ نمبر ۲۲)

اصل میں شعر کا متن یوں ہے

ایک تصویر کسی شوخ کی اور نامے چند
گھر سے عاشق کے پسِ مرگ یہ ساماں نکلا

4

توڑ بت زاہد نے کیوں مسجد یہ بتخانہ کیا
تب تو اک صورت بھی تھی اب صاف ویرانہ کیا

یہ شعر ''تذکرۂ حسن'' (ص ۵۶) میں بنام میر اعلیٰ علی خلف میر ولایت اللہ کے نام منسوب ہے جبکہ قاضی عبدالودود اس شعر پر محاکمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

کلیات سید محمد خاں، رندؔ کے نسخے میں جو مصنف کی زندگی میں ۱۲۶۸ھ میں طبع ہوا تھا، درج ذیل شعر یوں ہے:

توڑ بت مسجد بنی مسمار بُت خانہ ہوا
جب تو اک صورت بھی تھی اب صاف ویرانہ ہوا

رندؔ نے اپنی نثر میں جو دیوان اول کے بعد ہے، اعتراف کیا ہے کہ میں نے اوائل میں میر خلیق، خلف میر حسن سے اصلاح لی تھی، اور تذکرہ حسن عجب نہیں کہ ان کی نظر سے گزرا ہو، چکبست کے مقدمہ گلزار نسیم میں یہ حکایت درج ہے کہ ناسخؔ نے ایک مشاعرے میں نسیم لکھنوی کو مخاطب کر کے یہ مصرع پڑھا۔

''شیخ نے مسجد بنا مسمار بت خانہ ہوا''

اور بولے کہ دوسرا مصرع نہیں سوجھتا کہ شعر مکمل ہو جائے۔ ناسخؔ کی زبان سے یہ مصرع نکلا ہی تھا کہ نسیم نے یہ مصرع لگایا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

''تب تو اک صورت بھی تھی اب صاف ویرانہ کیا''

حاضرین پھڑک اُٹھے۔ ناسخ نے مذہبی چوٹ کی تھی، نسیم نے ٹھنڈا کر دیا۔ گلزار نسیم مرتبہ چکبست کی اشاعت کے کچھ ہی بعد ریاض خیر آبادی نے لکھا تھا کہ (ا) یہ حکایت مصنوعی ہے، کہیں اور نہیں ملتی، (ب) ناسخ و نسیم کے مرتبے میں بڑا فرق تھا۔ ناسخ انہیں قابلِ خطاب نہ سمجھتے ہوں گے (ج) ناسخ ایسے غیر مہذب نہ تھے کہ ایک ہندو اور پھر ''محبوب ہندو'' کو مخاطب کر کے ایسا دل شکن مصرع پڑھتے، (د) نسیم لاکھ حاضر جواب سہی مگر ناسخ کے سامنے ان کی زبان نہ کھلتی (ریاض نمبر ص ۴۷)۔ چکبست نے نہ پہلے بتایا تھا کہ یہ حکایت انہیں کہاں سے ملی اور نہ جہاں تک میرا علم ہے انہوں نے ریاض کے اعتراض کے بعد اپنے ماخذ سے متعلق کسی قسم کی اطلاع دینے کی ضرورت محسوس کی۔ ریاض کا خیال ہے کہ وہ خود مخترع ہیں۔''

(بحوالہ:۔ آوارہ گرد اشعار''.....نقوش (ادب عالیہ نمبر) ،صفحہ نمبر ۱۳۳)

5

کیا بود و باش پوچھو ہو پورب کے ساکنو
ہم کو غریب جان کے ہنس ہنس پکار کے
دلی جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب
رہتے تھے منتخب ہی جہاں روزگار کے
اس کو فلک نے لوٹ کے ویران کر دیا
ہم رہنے والے ہیں اُسی اُجڑے دیار کے

میر کے مشہور زمانہ فی البدیہہ قطعہ کی تمہید مولانا محمد حسین نے ''آب حیات'' میں یوں رقم کی ہے۔

''جب (میر) لکھنؤ چلے تو ساری گاڑی کا کرایہ بھی نہ تھا۔ ناچار ایک شخص کے ساتھ شریک ہو گئے تو دلی کو خدا حافظ کہا۔ تھوڑی دور آگے چل کر اس شخص نے کچھ بات کی۔ یہ اس طرف سے منہ پھیر کر ہو بیٹھے۔ کچھ دیر کے بعد اُس نے بات کی میر صاحب چین بجبیں ہو کر بولے کہ صاحب قبلہ آپ نے کرایہ دیا ہے۔ بے شک گاڑی میں بیٹھیں، مگر باتوں سے کیا تعلق! اُس نے کہا۔ حضرت کیا مضائقہ ہے۔ راہ کا شغل

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ہے باتوں میں ذرا جی بہلتا ہے۔ میر صاحب بگڑ کر بولے، کہ خیر آپ کا شغل ہے میری زبان خراب ہوتی ہے۔ لکھنؤ پہنچ کر جیسا مسافروں کا دستور ہے ایک سرائے میں اترے، معلوم ہوا کہ آج یہاں ایک جگہ مشاعرہ ہے۔ رہ نہ سکے، اسی وقت غزل لکھی اور مشاعرے میں جا کر شامل ہوئے۔ ان کی وضع قدیمانہ، پچاس گز کے گھیر کا جامہ ایک پورا تھان پستولیے کا کمر سے بندھا۔ ایک رومال پری دار تہہ کیا ہوا اس میں آویزاں مشروع کا پاجامہ۔ جس کے عرض کے پائنچے، ناگ پھنی کی انی دار جوتی، جس کی ڈیڑھ بالشت اونچی نوک، کمر میں ایک طرف سیف یعنی تلوار۔ دوسری طرف کٹار۔ ہاتھ میں جریب، غرض جب داخل محفل ہوئے تو وہ شہر لکھنؤ۔ نئے انداز نئی تراشیں، بانکے ٹیڑھے جوان جمع۔ انہیں دیکھ کر سب ہنسنے لگے۔ میر صاحب بیچارے غریب الوطن، زمانے کے ہاتھ سے پہلے ہی دل شکستہ تھے اور بھی دل تنگ ہوئے اور ایک طرف بیٹھ گئے۔ شمع اُن کے سامنے آئی۔ تو پھر سب کی نظر پڑی۔ اور بعض اشخاص نے پوچھا کہ حضور کا وطن کہاں ہے، تو انہوں نے فی البدیہہ یہی قطعہ پڑھا، سب کو حال معلوم ہوا، بہت معذرت کی اور میر صاحب سے عفوِ تقصیر چاہی۔

(بحوالہ: ''آب حیات''، محمد حسین آزاد، ناشر کتابی دنیا، دہلی، ۲۰۰۴، صفحہ نمبر ۱۷۳)

6

مجلس وعظ تو تا دیر رہے گی غالبؔ
پاس بتخانہ ہے پی کر کے ابھی آتے ہیں

عطا الرحمان کاکوروی اس شعر کے متعلق لکھتے ہیں:۔

''باقر علی باقر شاگرد غالبؔ کے سامنے کسی نے یہ شعر پڑھا۔ انہیں حیرت ہوئی کہ یہ شعر اور غالبؔ کا ہو۔ اسی دن ایک خط غالبؔ کو لکھ کر حال دریافت کیا۔ غالبؔ کا جواب بالفاظ شاہ ظہیر الحق یہ تھا کہ ''اگر یہ شعر میرا ہو تو مجھ پر ایک ہزار لعنت، ورنہ جس نے میری جانب غلط منسوب کیا ہے اس پر دس ہزار لعنت، مجھ پر کیا شامت آئی تھی کہ پاس میخانہ ہوتے ہوئے مجلس وعظ میں جا کر بیٹھتا'' یہ شعر دراصل یوں مشہور ہے:۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

مجلس وعظ تو تا دیر رہے گی قائم
یہ ہے میخانہ ابھی پی کے چلے آتے ہیں

بعض لوگ اس کو قائمؔ کا شعر سمجھتے ہیں مگر بہ قول قاضی عبدالودود صاحب لفظ ''قائم'' لازماً بہ طور تخلص نہیں آیا اور نہ یہ شعر دیوان قائم نسخۂ انڈیا آفس لندن میں ہے۔''

(بحوالہ:۔'' آوارہ گرد اشعار.....قسط (۵)''، پروفیسر عطا الرحمان کاکوروی، ماہنامہ نگار، شمارہ اکتوبر ۱۹۵۲، صفحہ نمبر ۴۲)

7

(۱) جو کام تجھے کرنا ہے، تجھی کو کرنا ہے
کسے پڑی ہے کہ کوئی کرے کسی کے لئے

(۲) سرخرو ہوتا ہے انساں ٹھوکریں کھانے کے بعد
رنگ لاتی ہے حنا پتھر پر گھس جانے کے بعد

(۳) وہ پھول سر چڑھا جو چمن سے نکل گیا
عزت اُسے ملی جو وطن سے نکل گیا

(۴) مدعی لاکھ بُرا چاہے تو کیا ہوتا ہے
وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے

(۵) حقیقت چھپ سکتی نہیں بناوٹ کے اصولوں سے
کہ خوشبو آ نہیں سکتی کبھی کاغذ کے پھولوں سے

(۶) مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے

درج بالا اشعار کے منسوبات پر اکثر خلط مبحث پایا جاتا ہے، کبھی ان کو غالبؔ کی تخلیقی ذہن کا پیداوار سمجھا جاتا ہے تو کبھی اقبالؔ کے لہجے کی مناسبت کے حوالے سے ان

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کو اقبال کی ملکیت تسلیم کیا جاتا ہے، بسیار تلاش کے بعد یہ ثابت ہوا کہ ان اشعار کا خالق ایک غیر معروف شاعر مست کلکتوی ہے۔ مست کی تاریخ پیدائش کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے لیکن اس میں دو رائیں نہیں کہ مست انیسویں صدی کے آخری دہائی میں پیدا ہوئے ہیں۔ پوری زندگی افلاس اور غربت میں گزری۔ ن کے معاصرین میں وحشت، آرزو اور ناطق قابل ذکر شعراء میں شمار ہوتے ہیں۔ ''ارمغان کلکتہ'' کے مؤلف مغموم مدراسی کی قایم کلکتہ کے دوران مست کلکتوی سے ایک ملاقات ہوئی تھی۔ مغموم، مست کی باغ و بہار شخصیت سے بہت زیادہ متاثر ہوئے تھے۔ مغموم رقم طراز ہیں:

''ایک نوجوان شاعر سے ملاقات ہوئی۔ آپ کا نام منشی غلام محمد صاحب اور تخلص مست ہے۔ آدمی سنجیدہ اور متین ہیں۔ طبیعت جدت پسند ہے، عمر تقریباً بیس سال ہوگی۔ ذریعہ معاش اطفالِ امرا کی تعلیم پر منحصر ہے۔ آپ کا وطن کلکتہ ہے۔ دوسری بات جو دیکھنے میں آئی وہ یہ ہے کہ آپ اسم با مسمّیٰ مست ہیں۔ آپ کی آنکھوں سے وحشت اور چہرے سے مستی ٹپک رہی ہے۔ ہمیشہ کسی دُھن میں رہا کرتے ہیں''۔

مست کلکتوی کا انتقال 1941 میں ہوا۔ ان کی قبر کچھی میمن قبرستان مانک تلہ میں ہے۔ ان کے تلامذہ نے کچھی میمن قبرستان کے عہداروں سے درخواست کی تھی کہ انہیں کلکتہ کے اس منفرد اور باکمال شاعر کے مزار کو پختہ کرنے اور لوح تربت نصب کرنے کی اجازت دی جائے، مگر قبرستان کے قوانین اور ضوابط مانع ہوئے۔ آج مست کی قبر بھی ناپید ہوگئی ہے، کوئی نشان بھی باقی نہیں رہا ہے۔ مست نے قوالیاں بھی لکھیں اور گیت بھی، جو عوام میں بے حد مقبول ہوئے ہیں لیکن افسوس ان کے کلام کو کتابی صورت نہ ملنے سے مست گمنامی میں چلے گئے ہیں۔

(ان اشعار کے متعلق مزید تفصیلات کے لئے مذکورہ تین مضامین کو دیکھئے: (۱) ''سید غلام محمد مست کلکتوی''، شانتی رنجن بھٹاچاریہ، ششماہی ''فکر و تحقیق'' شمارہ جولائی تا دسمبر ۱۹۹۷، ص ۴۳
(۲) ''سفید جنگلی کبوتر''، منور رانا، ناشر مژگاں پبلی کیشنز، کلکتہ، ص ۳۱ (۳) ''غلام محمد مست: شخصیت اور فن''، ڈاکٹر جاوید نہال، ہفتہ روزہ ''ہماری زبان'' شمارہ یکم دسمبر تا ۷ دسمبر ۲۰۰۷)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

8

اس زلف پہ پھبتی شب دیجور کی سوجھی
اندھے کو اندھیرے میں بہت دور کی سوجھی

محمد حسین آزاد نے ''آب حیات'' میں انشاء اور جرأت کا واقعہ درج کیا ہے:

''ایک دن میر انشاء اللہ خاں، جرأت کی ملاقات کو آئے، دیکھا تو سر جھکائے بیٹھے کچھ سوچ رہے ہیں، انہوں نے پوچھا کہ کس فکر میں بیٹھے ہو۔ جرأت نے کہا کہ ایک مصرع خیال میں آیا ہے، چاہتا ہوں کہ مطلع ہو جائے۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا ہے؟ جرأت نے کہا کہ خوب مصرع ہے مگر جب تک دوسرا مصرع نہ ہوگا تب تک نہ سناؤں گا۔ نہیں تو تم مصرع لگا کر اسے بھی چھین لوگے۔ سید انشاء نے بہت اصرار کیا، آخر جرأت نے پڑھ دیا۔

ع اس زلف پہ پھبتی شب دیجور کی سوجھی

سید انشاء نے فوراً برجستہ دوسرا مصرع کہا

ع اندھے کو اندھیرے میں بہت دور کی سوجھی

(بحوالہ: ''آب حیات''..... محمد حسین آزاد، ناشر کتابی دنیا، دہلی، ۲۰۰۴، صفحہ نمبر ۲۰۳)

9

تھمتے تھمتے تھمیں گے آنسو
رونا ہے یہ کچھ ہنسی نہیں ہے

اس شعر کے متعلق کالی داس گپتا رضاؔ اپنے ایک مضمون ''چند مشہور شعرا اور ان کے خالق'' میں لکھتے ہیں۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

''عرصہ طویل سے اس شعر کو میر انیس سے لے کر آج تک کے مشاہیر (سید علی عباس حسینی، سید مسعود حسن رضوی ادیب، آرزو لکھنوی) تک اسے میر تقی میر کا شعر مانتے آئے ہیں۔ حالانکہ یہ بات حقیقت سے کوسوں دور ہے۔ یہ شعر لالہ بدھ سنگھ قلندر کا ہے جو خان آرزو (وفات ۱۷۵۵/۵۶) کے معاصرین میں سے تھے۔ اصل شعر کریم الدین کے تذکرہ طبقات الشعرائے ہند (ص ۷۹) میں اس طرح درج ہیں۔

تھمتے ہی تھمے گا اشک ناصح

رونا ہے یہ کچھ ہنسی نہیں ہے

(بحوالہ: سہو وسراغ، مرتب صابر دت، ۱۹۸۰، ممبئی، ناشر ادارہ فن وشخصیت، صفحہ نمبر ۱۲۹)

10

لاؤ تو قتل نامہ ذرا میں بھی دیکھ لوں
کس کس کی مہر ہے سرِ محضر لگی ہوئی

حیدر آباد دکن کی مملکتِ آصفیہ کے ہر دلعزیز بادشاہ نواب میر محبوب علی خاں آصف جاہ ششم کم عمری میں گدی نشین ہوئے تھے۔ ان کی نوعمری سے فائدہ اُٹھا کر بعض امراء نے ان کے خلاف سازش کی، انہیں نااہل اور ناتجربہ کار قرار دے کر تخت سے دست بردار کرانے کے لئے برٹش گورنر جنرل کو محضر پیش کیا، لیکن سازش ناکام ہوئی، جب نواب میر محبوب علی خاں کو اس سازش اور محضر کا علم ہوا تو انہوں نے یہ شعر کہا۔

نواب صاحب شعر وسخن میں داغ دہلوی کے شاگرد رشید تھے۔ اکثر وبیشتر طرحی غزلیں لکھنے میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ ان کا کلام قدیم گلدستوں میں نمونوں کی صورت میں ملتا ہے ان کا کوئی مطبوعہ دیوان موجود نہیں ہے۔ حیدر آباد کے قدیم مخطوطہ میں نواب صاحب کی پوری غزل اس طرح درج ہے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

تہمت تمہارے عشق کی ہم پر لگی ہوئی
یارب بجھے گی آگ یہ کیوں کر لگی ہوئی
لاؤ تو قتل نامہ ذرا میں بھی دیکھ لوں
کس کس کی مہر ہے سرِ محضر لگی ہوئی
منصف تو آپ ہیں ذرا انصاف کیجئے
دشمن تو کہہ رہے ہیں سراسر لگی ہوئی
جائیں گے اس کے کوچے میں ہم کس امید پر
کافی ہے ہم کو پہلے ہی ٹھوکر لگی ہوئی
الفت کا جب مزہ ہے کہ ہوں وہ بھی بے قرار
دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی
آساں نہیں ہے سخت یہ الفت کی چوٹ ہے
دل جانتا ہے جس کے ہے دل پر لگی ہوئی
الفت کا راز فاش ہو ہم کو یقین نہیں
سنتی کھڑی قضا ہے سردر لگی ہوئی
چھپتی نہیں ہے بُو تو کبھی عشق و مشک کی
لے کر اڑے گی کیوں نہ یہ سر سر لگی ہوئی
شاید گماں ہو آپ کو میں ہوں گناہ گار
یہ آگ عشق جانو گھر گھر لگی ہوئی
آصف ذرا سمجھ کے یہاں کیجئے مقام
منزل ہے اور دوسری سر پر لگی ہوئی

شعر سے منسوب روایت کا پس منظر بھی تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ نواب میر محبوب علی خاں اپنے والد نواب افضل الدولہ آصف جاہ پنجم کے انتقال 1869 کے بعد مسند نشین ہوئے جب ان کی عمر ڈھائی سال تھی۔ ان کی کمسنی کے باعث اور مملکت اور ریاست کا انتظام حکومت کے مدار المہم نواب میر تراب علی خاں

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

المخاطب نواب سالار جنگ بہادر کے سپرد تھا جو ایک لایق مدبر اور دور اندیش منتظم ہونے علاوہ ملک و مالک کے ہمدرد اور وفادار بھی تھے۔ جب تک وہ زندہ رہے کسی امیر یا عہدہ دار کو مملکت کے امور میں دخل در معقولات کی جرأت نہ ہوسکی لیکن جب 1883ء میں نواب سالار جنگ راہی ملک عدم ہوئے تو سازش کی دبی چنگاریاں سلگ اٹھیں اور سازشی گروہ نے حکومت کے انگریز رزیڈنٹ سے ساز باز کا سلسلہ شروع کر دیا۔ میر محبوب علی خاں کے انگریزی کے استاد اور معتمد پیش نواب سرور جنگ سرور الملک نے جو دربار آصف سے 28 سال وابستہ رہے اس وقت کے محلات اور دربار کے حالات و مشاہدات اور سازشوں کا حال اپنی آپ بیتی (کارنامہ سروری) میں لکھا ہے۔

''نواب وزارت پناہ کے انتقال کے بعد دروازہ رزیڈنسی کا اہل سازش کے واسطے کھل گیا''۔

یہاں تک کہ نوعمر بادشاہ کو ناتجربہ کار اور نااہل بتا کر امور سلطنت سے بے دخل کرنے اور خود زمام حکومت سنبھالنے اور اپنی سازش کا ایجنڈہ لے کر برٹش گورنر جنرل لارڈ رپن مقیم کلکتہ تک رسائی حاصل کی۔ اس دوران جب سازش کا حال وفادار اور خیر خواہ امراء کو معلوم ہوا تو طے کیا کہ بادشاہ کی تعلیم ختم کر دی جائے تا کہ یکسو ہو کر حکومت کے انتظام میں مصروف ہو جائیں۔ یہ بھی طے پایا کہ وقت ضائع کیے بغیر بادشاہ کلکتہ جا کر گورنر جنرل سے ملیں۔ چنانچہ پروگرام کے مطابق 1884 میں بادشاہ چند امراء کے ساتھ کلکتہ روانہ ہوئے دکن کا تذکرہ ''تزک محبوبیہ'' رقم طراز ہے۔

''لارڈ رپن گورنر جنرل کشور ہند نہایت احترام و اکرام سے پیش آئے اور ملاقات کی اور بعد ختم کلام امورات ریاست کے ساتھ خاص قسم کی دلچسپی اور توجہ دیکھ کر کہا اب آپ بالا استقلال حکمرانی کے لائق ہیں۔ اللہ مبارک کرے اور 5 فروری 1883 میں آپ کو مع کامل اختیارات ریاست مسند نشین کیا جائے گا۔ جلسہ تخت نشینی کی تیاری شروع فرما دی جائے''۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

گورنر جنرل کی گفتگو سے واضح ہے کہ انہوں نے نواب میر محبوب علی خاں کو ہر طرح مختار کل کی حیثیت سے حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کا اہل سمجھا اور اہل سازش کی دروغ گوئی اور سازش کو انہوں نے مسترد کر دیا اس طرح سازش ناکام ہوئی۔ جب نواب میر محبوب علی خاں کو پتا چلا تو انہوں نے برجستہ شعر موزوں کیا۔ اور پوری سازش کو ایک شعری جامہ پہنا کر ضرب المثل حقیقت بیان کر دی۔

لاؤ تو قتل نامہ ذرا میں بھی دیکھ لوں
کس کس کی مہر ہے سر محضر لگی ہوئی

(بحوالہ ''لاؤ تو قتل نامہ'' از محمد نور الدین، مشمولہ: ''کتاب نما'' شمارہ مئی 2002، صفحہ نمبر 21)

11

قریب ہے یار روزِ محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر
جو چپ رہے گی زبانِ خنجر، لہو پکارے گا آستیں کا

اس شعر کے متعلق مشہور ہے کہ جسٹس محمود نے اپنے ایک انگریزی فیصلہ میں اسکو نقل بھی کیا ہے یہ شعر امیر مینائی کا ہے اور ان کے دیوان طبع سوم ماہ جولائی ۱۸۹۲ء مطبع نول کشور کان پور کے صفحہ نمبر ۹۸ پر درج ہے، یہی شعر بادنیٰ تغیر ''بجائے کشتوں کا قتل،،، احوال قتل'' شاد لکھنوی کے دیوان ''سخن بے مثل'' صفحہ نمبر ۴ پر درج ہے یہ دیوان خود شاد کی نظر ثانی اور تصحیح کے بعد شائع ہوا ہے اس لئے بعد میں الحاقی صورت کی کوئی توجیہ بھی نہیں نکلتی''۔ بعض حضرات ''خون'' کی جگہ ''قتل'' لکھتے یا بولتے ہیں۔

بحوالہ:۔(۱) ''غیرت بہارستان'' مع انتخاب کلام امیر مینائی، مرتبہ خالد مینائی، نقوش پریس، ص ۵۵
(۲) ''آوارہ گرد اشعار..... قسط (۱)'' پروفیسر عطاء الرحمان کاکوروی، ماہنامہ ''نگار'' شمارہ اپریل ۱۹۵۲، ص ۳۴

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

12

دل کے پھپھولے جل اُٹھے سینے کے داغ سے
اِس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

مشہور محقق کالی داس گپتا رضا اس شعر کے متعلق لکھتے ہیں:۔

''آزاد مرحوم'' آب حیات'' میں سوداؔ کے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ ''ایک دن سوداؔ کے مشاعرے میں بیٹھے تھے.....ایک شریف زادے کی ۱۲۔۱۳ برس کی عمر۔اس نے غزل پڑھی، مطلع تھا۔دل کے پھپھولے ..... ،گرمیِ کلام پر سودا بھی چونک پڑے۔پوچھا یہ مطلع کس نے پڑھا؟ لوگوں نے کہا حضرت یہ صاحبزادے ہیں..... کہا کہ میاں لڑکے جوان تو ہوتے نظر نہیں آتے۔خدا کی قدرت انہی دنوں میں لڑکا جل کے مرگیا.....''۔یہ قصہ آزادؔ نے شعر کو سامنے رکھ کر گڑھ لیا ہے کیونکہ یہ شعر اس لڑکے کا ہے ہی نہیں بلکہ پنڈت مہتاب رائے تاباں دہلوی کے شعر کی قدرے ترقی یافتہ شکل ہے۔تاباںؔ میر دردؔ کے ہم عصر تھے اصل شعر یوں ہے ۔

شعلہ بھڑک اُٹھا میرے اس دل کے داغ سے
آخر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

تاباںؔ کو بعض تذکروں نے تابؔ اور تائبؔ بھی لکھا۔مختار الدین نے تائبؔ کو اصل مانا ہے (''تحریر''، شمارہ ۱۴ص ۷۸) مگر تذکرہ آثار الشعرائے ہنود (۱۸۸۶) میں تابؔ اور تاباںؔ کو الگ الگ شاعر کہا گیا ہے۔دونوں کو برہمن لکھا ہے مگر تابؔ کشمیری الاصل تھے اور ان کا نام شتاب رائے تھا۔تاباںؔ کے لئے (جس سے یہ شعر منسوب ہے) لکھا ہے پنڈت مہتاب رائے بارہ برس کی عمر کے تھے کہ انہوں نے میر درد کے مشاعرے میں آکر غزل پڑھی جس کا مطلع یہ شعر ہے''

(بحوالہ:۔''سہ دسراغ'' کالی داس گپتا رضا، مرتب صابر دت، ادارہ فن اور شخصیت، بمبئی، جنوری ۱۹۸۰، صفحہ نمبر ۱۳)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

13

دل کے آئینے میں ہے تصویرِ یار
جب ذرا گردن جھکائی، دیکھ لی

اس شعر کے خالق منشی رام موجی ہے ان کا تعلق قصبہ سانڈی، ضلع ہردوئی (یوپی) سے ہے۔ نواب حسین علی خاں ولد نواب سعادت علی خاں والیِ اودھ کے ہاں ملازم تھے۔ مصحفی سے شعروسخن کے اسرار و موز سیکھے ہیں۔ اکثر و بیشتر ان کی خدمت میں رہتے تھے۔ کالی داس گپتا رضا نے اپنے ایک مضمون ''چند مشہور شعر اور انکے خالق'' میں مذکورہ شعر کے دوسرے مصرعے میں ''ذرا'' کی جگہ ''کبھی'' درج کیا ہے۔ حسن الدین احمد نے شعر کو جلیل مانک پوری کے کھاتے میں ڈال دیا ہے۔

بحوالہ:۔(۱) ''ہندو شعراء'' مولف خواجہ عشرت حسین، مطبوعہ نامی پریس لکھنؤ، ۱۹۳۱، صفحہ نمبر ۱۱۱

(۲) کالی داس گپتا رضا..... سہو و سراغ، ص ۱۳۲

(۳) ''زبان زد اشعار'' حسن الدین احمد، ولا اکیڈیمی، حیدر آباد، مئی ۱۹۸۲، ص ۹۸

14

آخر گل اپنی صرف درِ مے کدہ ہوئی
پہنچے وہاں ہی خاک جہاں کا خمیر ہو

یہ شعر مغل دور کے ایک بادشاہ مرزا جہاں دار شاہ عُرف مرزا جواں بخت کا ہے ان کے والد شاہ عالم ثانی ہیں۔ انگریزوں کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد پنشن ہوگئی۔ آخر پر بنارس کو مستقل آماجگاہ کے طور پر اختیار کیا اور وہیں مدفون بھی ہوئے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

قاضی عبدالودو نے اس شعر کے انتساب کی تفصیل یوں لکھی ہیں:۔

''گلشن بے خار'' میں بہ نام جہاں دار شاہ 'جہاں دار' لیکن آزاد نے اپنے مرتبہ دیوان میں اسے شامل کیا ہے۔ گلشن بے خار پہلی اور دوسری بار آزاد کے والد کے مطبع میں چھپا تھا اور طبع ثانی میں اہل مطبع نے ذوق کے بہت سے اشعار اپنی جانب سے بڑھا دیئے تھے۔ اگر یہ شعر ذوق کا ہوتا تو آزاد کے والد مصنف کی توجہ اس معاملے کی طرف ضرور مبذول کراتے اور شیفتہ اپنی غلطی کی اِصلاح کر دیتے۔ دیوان ذوق کی اشاعت اول میں بھی یہ شعر نہیں اور اس بات کا ثبوت ہے کہ دیوان، ظہیر اور انور کے نزدیک ذوق کا نہ تھا۔ گلشن بے خار میں اس شعر کا جہاں دار کے نام ہونا، ان لوگوں کو ضرور معلوم ہوگا۔ ذوق کو اسکا مصنف ماننے کی کوئی وجہ نہیں۔ ''

مذکورہ شعر کے متن میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ''شعری ضرب الامثال''، شمس بدایونی، روشن پبلیکیشنز روشن محل، بدایونی، ۱۹۸۴، ص ۲۹ پر شعر کا متن یوں درج ہے۔

آخر گل اپنی صرف درمیکدہ ہوئی
پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

''زبان زد اشعار''، حسن الدین احمد، ولا اکیڈمی، مئی ۱۹۸۲، ص ۲۸ پر شعر کا متن یوں درج ہے۔

آخر کو اپنی خاک راہ گزر ہوئی
پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

بحوالہ:۔ (۱) 'گلشن بے خار'' شیفتہ، مرتبہ کلب علی خاں ص ۱۳۶
(۲) ''خم خانۂ جاوید'' (جلد دوم) ص ۳۲۲
(۳) ''آوارہ گرد اشعار''، مطبوعہ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۹۵، صفحہ نمبر ۲۰

15

قیس جنگل میں اکیلا ہے مجھے جانے دو
خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

یہ شعر میاں دادخاں سیاحؔ کا ہے جن کو غالبؔ کا شاگرد ہونے کا شرف حاصل ہے۔ سیاحؔ کی تاریخ ولادت 1829 اور تاریخ وفات 1907 ہے۔ اکثر و بیشتر اورنگ آباد سے دلی کا سفر صرف غالبؔ کی خاطر کرتے تھے۔ غالب ان کو شاگرد کے بجائے دوستوں میں شمار کرتے تھے۔ سیاحت کے بہت شوقین تھے ابتداء میں عشاقؔ تخلص کرتے تھے، بعد میں ان کے شوقِ سفر کی مناسبت سے مرزا غالبؔ نے سیاحؔ تخلص رکھا۔ سیاحؔ نے پنجاب، بنگال اور کشمیر وغیرہ کے علاوہ عرب و عجم کی سیر بھی کی ہے۔ سفر بہت اہتمام سے کرتے اور روپیہ بے دریغ خرچ کرتے تھے۔ کسب کمال کا ذوق تھا، اور ان کے دوستوں میں اس زمانے کے صاحب علم و فضل لوگ شامل تھے۔ جس شہر میں جاتے خود مصرع طرح دے کر مشاعرے منعقد کرواتے۔ شعر پڑھنے کا انداز بہت اچھا تھا۔ جس مشاعرے میں جاتے اپنا رنگ جما لیتے۔

(بحوالہ: ''غزل نما'' مولفہ ادا جعفری، مکتبہ جامعہ دہلی، ۱۹۸۸، ص ۴۷۴)

16

نالۂ بلبلِ شیدا تو سنا ہنس ہنس کے
اب جگر تھام کے بیٹھو مری باری آئی

بھانپ ہی لیں گے اشارہ سرِ محفل جو کیا
تاڑنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں

دوست دو چار نکلتے ہیں کہیں لاکھوں میں
جتنے ہوتے ہیں سوا اُتنے ہی کم ہوتے ہیں

اب عطر بھی ملو تو تکلّف کی بو کہاں
وہ دن ہوا ہوئے کہ پسینہ گلاب تھا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

مندرجہ بالا اشعار لالہ مادھو رام جوہر کے تخلیقی ذہن کی پیداوار ہیں۔ زمانہ کی سبک رفتاری سے یہ اشعار مختلف شعراء سے منسوب ہوتے رہے ہیں۔ جوہر کی ولادت فرخ آباد میں ان کی آبائی کوٹھی واقع محلہ رستوگیان میں ہوئی۔ تاریخ ولادت کے بارے میں مورخین میں اختلاف پایا جاتا ہے، تذکرہ نگاروں کی متفق طور پر جو تاریخیں سامنے آئی ہیں ان کو مدنظر رکھ کر 1810 کو صحیح مانا جاتا ہے۔ جوہر نے زندگی کی کل ستر بہاریں دیکھی ہیں۔ اس لحاظ سے ان کی تاریخ وفات 1890 ہے۔ جوہر کی پرورش و تعلیم متمول گھرانے میں ہوئی تھی۔ ان کا مزاج اور رہن سہن شروع سے اونچے ڈھنگ کا تھا۔ وہ انتہا درجے کے مخلص خلیق اور مہمان نواز انسان تھے۔ شاعروں اور ادیبوں کا ان کی کوٹھی پر جمگھٹا رہتا تھا۔ ان کے استاد سید اسماعیل حسین منیر شکوہ آبادی ان کے یہاں مدتوں رہے ہیں۔ خود جوہر بھی کبھی دہلی، لکھنؤ اور آگرہ جا کر وہاں مہینوں قیام کرتے تھے۔ بہادر شاہ ظفر کے آخری دور حکومت میں جوہر کو مختار شاہی کے معزز عہدے سے سرفراز کیا گیا مگر 1857 کی جنگ آزادی میں محبان وطن کی حمایت کرنے کے انتقام میں انگریزوں نے ان کی جائداد ضبط کر لی۔

جناب گنپت سہائے سری واستو نے ''اردو شاعری کے ارتقا میں ہندو شعراء'' میں جوہر کے متعلق یوں درج کیا ہے:۔

> ''آبائی تمول اور فضیلت علمی کے ساتھ جوہر شعر بھی خوب کہتے تھے۔ عروض و قافیہ کے بخوبی ماہر تھے، منیر شکوہ آبادی کے تلامذہ میں فرد تھے اور خود بھی استادانہ قابلیت رکھتے تھے۔ شعرا کے بڑے قدرداں اور محسن تھے۔ حضرت جوہر کی شعر و شاعری سے طبعی مناسبت تھی جس سے ان کے کلام میں تصنع اور آورد کے بجائے آمد کا زور ہے۔ ان کے خیالات اکثر حقیقی جذبات اور ذاتی تجربات پر مبنی ہوتے ہیں جس سے تاثیر کلام بڑھ جاتی ہے۔ عشقیہ مضامین کو لطافت اور رنگینی کے ساتھ سادہ اور سلیس زبان میں ادا کرنے میں جوہر کو ید طولیٰ حاصل ہے۔ ان کی استادانہ قابلیت اور مہارت کا ہی نتیجہ ہے کہ ان کے متعدد اشعار ضرب المثل ہو گئے''۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

لالہ سری رام مولفؔ ''خم خانۂ جاوید'' میں جوہر کے بارے میں رقم طراز ہیں۔

''اشعار عجیب کیف آمیز ہوتے ہیں جن کے پڑھنے سے قارئین اور سامعین دونوں کو لطف حاصل ہوتا ہے اور دونوں کے دلوں پر برابر اثر پڑتا ہے۔ان کی طرز خاص معاملہ گوئی ہے، زبان بہت صاف، شستہ اور بے تکلف ہے بہر حال ان کے مستند ہونے میں کسی کو شک نہیں ہوسکتا۔''

بحوالہ:۔(۱) ''انتخاب کلام لالہ مادھو رام جوہر'' مرتبہ راجیندر بہادر موج، اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ ۱۹۹۷ء، ص ۲۰

(۲) ''زبان زد اشعار'' حسن الدین احمد، ولا اکیڈیمی، حیدر آباد، مئی ۱۹۸۲، ص ۲۷

17

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
سامان سو برس کے ہیں کل کی خبر نہیں

یہ زبان زد شعر حیرتؔ الہ آبادی کی اختراع ہے۔حیرتؔ کے بارے میں تاریخ میں بہت کم ملتا ہے یہاں تک کی تاریخ ولادت اور تاریخ وفات کے بارے میں کوئی ثیقہ رائے سامنے نہیں آتی، سوائے اس کے کی حیرتؔ الہ آبادی 1892 میں زندہ تھے۔بعض تذکرہ نگار مانتے ہیں کہ انہوں نے شعر وسخن کی تربیت مرزا اعظم علی اعظم سے لی ہے۔''زبان زد اشعار'' حسن الدین احمد، ولا اکیڈمی، مئی ۱۹۸۲، ص ۶۷ پر شعر کا دوسرا مصرع یوں درج ہے۔

ع سامان سو برس کا ہے پل کی خبر نہیں

حوالہ:۔(''خم خانۂ جاوید'' (جلد دوم) لالہ سری رام، دہلی ۱۹۱۱ء، ص ۵۴۶)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

مختصر تبصرے

۱۔ اردو افسانہ کے امکانات ..... حامدی کاشمیری

۲۔ معاونِ تحقیق..... عبداللہ خاورؔ

۳۔ بے ثمر بیج..... نور شاہ

۴۔ نوائے سروش..... عرفان ترابی

۵۔ زعفران اور پانپور..... ڈاکٹر ثناء اللہ آہنگر

۶۔ انسان..... وریندر پٹواری

۷۔ منتخب کشمیری افسانہ..... مصرہ مریم

۸۔ کچھ لمحے کچھ سائے..... اشوک پٹواری

۹۔ لو آج ہم بھی صاحبِ کتاب ہو گئے..... شفیع احمد

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اردو افسانہ کے امکانات

بیسویں صدی کو افسانہ کی صدی قرار دیا گیا ہے کیونکہ کہ اردو افسانہ نے جو منازل کم سِنی میں ہی طے کئے ،وہ شاید ہی کسی دوسری صنفِ سخن کو نصیب ہوئی ہوں۔اردو افسانہ ابتداء سے ہی مختلف الجہت ہونے کی وجہ سے زیر بحث رہا ہے۔خواہ وہ رومانیت ہو یا حقیقت پسندی ،ترقی پسندی ہو یا جدیدت ،اجتماعیت ہو یا فردیت ،تجریدیت ہو یا علامیت ،غرض ہر دور میں اردو افسانہ عروج کی منزلیں طے کرتا رہا ہے۔لیکن جہاں تک اردو افسانے کی تنقید کا سوال ہے اس میدان میں معدودے چند کے سوا کوئی سرخروئی حاصل نہ کر سکا۔ان معدودے چند میں حامدی کاشمیری اہمیت کے حامل ہیں۔

حامدی کاشمیری کثر الجہت شخصیت کے مالک ہیں۔وہ بیک وقت شاعر اور نقاد کے فرائض انجام دے رہے ہیں اور ان کا اپنا نظریہ نقد بھی ہے جس کو وہ ''اکتشافی تنقید'' سے موسوم کرتے ہیں۔زیر نظر کتاب ''اردو افسانہ.....تجزیہ'' میں حامدی صاحب کے عمیق مطالعہ اور گہرے مشاہدے کا نتیجہ عمل ہے۔انہوں نے مطالعہ کے دوران جن افسانوں کو تخلیقی اور فنی اعتبار سے مکمل پایا ،ان کو اکتشافی نظریہ سے دیکھا اور پرکھا۔اس طرح انہوں نے سترہ افسانوں کو مع متن و تجزیہ کتاب میں شامل کیا ہے۔تا کہ قاری خود متن پڑھ کر تجزیہ کے محاسن و معائب کا بغور جائزہ لے سکیں۔

اس کتاب میں جن افسانہ نگاروں کو شامل کیا گیا ہے ان کی تفصیل یوں ہے:۔ کفن (پریم چند) ہتک (منٹو) ،لاجونتی (بیدی) ،آدھے گھنٹے کا خدا (کرشن چندر) ،خواب اور تقدیر (انتظار حسین) ،نظارہ درمیان ہے (قرۃ العین حیدر) بھائی بند

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

(جوگندر پال)، سرنگ (سریندر پرکاش) دست امکان (رشید امجد) اور ٹائم (منشایاد) اجنبی چہرے (جیلانی بانو) آوازیں (مرزا حامد بیگ) اندھیرے میں چلنے والے (عبدالصمد) معبر (سلام بن رزاق) بیگانگی (شوکت حیات) ماتم گار (انور خان) نیم پلیٹ (طارق چھتاری)۔

کتاب کے مقدمہ کے طور پر حامدی صاحب نے ایک پُر مغز تحقیقی وتنقیدی مقالہ ''اردو افسانہ.....امکانات کی تلاش'' کے عنوان سے سپرد قلم کیا ہے۔اس مقالہ میں صاحب مضمون نے اردو افسانے کی ابتداء وارتقاء پر مکمل ومفصل روشنی ڈالی ہے۔اردو افسانہ کن مراحل ومنازل سے گذر کر عروج کی منزلیں طے کرتا رہا۔ساتھ ہی موضوعاتی اور ہیئتی طور پر افسانہ میں کیا کیا تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ترقی پسندی اور جدیدیت کے رجحانات نے افسانہ کی تعمیر وتخریب میں کیا رول ادا کیا۔اردو افسانہ کے پس منظر کا جائزہ لیتے ہوئے انگریزی افسانہ پر بھی روشنی ڈالی ہے، جو کہ ایک طالب علم اور قاری دونوں کے لئے معلوماتی اور دلچسپی کا باعث ہے۔

حامدی صاحب اردو افسانہ کی تنقید سے مایوس ہو کو صاف لکھتے ہیں کہ ''افسانے کے بارے میں جو تنقید ملتی ہے وہ اپنی محدودیت کا احساس دلاتی ہے یہ افسانے کے تئیں نقادوں کی سرد مہری اور بے اعتنائی کی غماز ہے۔نقادوں کے اس رویے کی ایک وجہ ان کی سہل انگاری بھی ہو سکتی ہے وہ شاید کسی افسانہ نگار کی قدر سنجی کے لئے اس کی جملہ تصانیف کے علاوہ پورے افسانوی ادب کا مطالعہ خاصا وقت طلب اور time consuming تصور کرتے ہیں''۔

حامدی صاحب افسانہ کا تجزیہ کرتے وقت افسانہ کی تشریح وتعبیر کو نثری روپ دینے کو تنقیدی عمل نہیں مانتے بلکہ وہ افسانے کی ساخت، واقعات، کردار اور ماحول کی امتزاجی صورتحال کا تجزیہ کر کے قاری کو تخیلی دنیا سے گزار کر افسانہ کے اسرار ورموز سے آگاہی دیتے ہیں۔اس لئے وہ افسانہ کے متن کا مطالعہ کرتے وقت افسانے کے پہلے جملے سے ہی اکتشافی عمل اختیار کر کے کہانی کی گرہیں کھول دیتے ہیں۔مثلاً ''کفن'' کے پہلے جملہ کا تجزیہ یوں کرتے ہیں:۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

''جھونپڑے کے دروازے پر باپ اور بیٹا دونوں بجھے ہوئے الاؤ کے سامنے خاموش بیٹھے ہوئے تھے اور اندر بیٹے کی جوان بیوی بدھیا درد زہ سے پچھاڑیں کھا رہی تھی''۔

حامدی صاحب افسانے کے پہلے ہی اقتباس سے اکتشافی نظریہ استدلال کو اپناتے ہوئے یوں رقم طراز ہوتے ہیں:

''یہ جملہ ایک تجسس خیز اور بصری ڈرامائی صورتحال جو کردار، ہیئت، فضا اور تحرک سے عبارت ہے کی نمود کو ممکن بناتا ہے۔ افسانے کا یہ اولین جملہ خارجی سطح پر ہی فضا آفرینی نہیں کرتا بلکہ داخلی سطح پر بھی کرداروں یعنی باپ اور بیٹے کی ذہنی کیفیت کو منکشف کرتا ہے'' دونوں ایک بجھے ہوئے الاؤ کے سامنے خاموش بیٹھے تھے''، میں ''بجھے ہوئے الاؤ'' اور ''خاموش'' ان کے داخلی وجود کی بے حسی، تاریکی، خستگی اور لاتعلق کا رمز بن جاتی ہے اور پھر اس جملے کے بقیہ حصہ یعنی ''اندر بیٹے کی جواب بیوی بدھیا درد زہ سے پچھاڑیں کھا رہی تھی'' میں ''جوان بیوی'' اور اس کا ''درد زہ'' میں مبتلا ہونا زندگی کے اثباتی اور امکانی پہلو کو نمایاں کرتا ہے اس طرح افسانے کا پہلا جملہ ایک متناقض (paradoxical) صورتحال پیدا کرتا ہے۔

غرض حامدی صاحب نے جس طرح اردو کے بہترین افسانوں کا تجزیہ کیا ہے کاش وہ اس فہرست میں ریاست جموں و کشمیر کے افسانہ نگاروں کو بھی شامل کرتے، اگرچہ کمیت و کیفیت سے ہماری ریاست میں بہت کم افسانہ لکھے گئے ہیں لیکن اگر پریم ناتھ پردیسی، پریم ناتھ در، موہن یاور، ٹھاکر پونچھی، پشکر ناتھ، نور شاہ اور عمر مجید وغیرہ کے افسانوں کو دیکھا جائے تو ضرور ایسے افسانے بھی ملیں گے جو تخلیقی و فنی اعتبار سے مکمل ہیں۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

معاونِ تحقیق

اشاریہ سازی ایک قدیم فن ہے مذہبی اور ثقافتی اداروں میں مخطوطات کی شکل میں ابتداء سے ہی اس کے نمونے ملتے ہیں۔ انیسویں صدی کے آغاز میں ایچ۔ ڈبلیو ولسن کی ذاتی کوششوں سے اس فن نے عروج کی منزلیں طے کیں۔ اور باقاعدہ اشاریہ سازی کے متعلق ایک لائحہ عمل سائنسی اصولوں پر ترتیب دیا گیا۔ جس میں بکھرے ہوئے مواد کو حروف تہجی (alphabitical order)، تاریخی ترتیب (Chronological order) اور اندراج نمبر (Entry no.) کے تحت درج کیا جاتا ہے۔ رسائل کے مندرجات کی فہرست سازی کی ابتداء لندن اسکول آف اورینٹل اینڈ افریقن اسٹڈیز کے فاضل لائبریرین جے ڈی پیرسن نے ''انڈکس اسلامکس'' کے ذریعے کیا اور مشہور محقق ایرج افشار نے ایران میں فہرست مقالات فارسی کے ذریعے کیا۔ اردو میں اشاریہ سازی کا آغاز بشیر الحق دسنوی نے شروع کیا۔ اور بعد میں اسی سلسلے کو انفرادی سطح پر جنہوں نے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ ان میں گوپی چند نارنگ، مظفر حنفی، ظ۔ انصاری اور عبداللہ خاور قابل ذکر ہیں۔

ریاست کے مشہور و معروف اشاریہ ساز عبداللہ خاور کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ خاور صاحب نے سالہا سال اقبال لائبریری میں کتابوں کی نگران میں صرف کئے ہیں۔ لیکن انہوں نے خود کو خالی کتابوں کی نگرانی تک محدود نہیں رکھا بلکہ عرق ریزی اور جگر سوزی کے ساتھ کتابوں کا مطالعہ کیا۔ جس کا ثمرہ ''مفتاح اقبال'' اور ''معاون تحقیق'' کی شکل میں قائین سے داد وصول کر چکے ہیں۔ انہوں نے علامہ اقبال کے فن اور شخصیت پر لکھے گئے ہزاروں مقالات کی ایک توضیحی اشاریہ ''مفتاح اقبال'' (۲ جلدیں) ترتیب دی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ہیں۔ جن کی اہمیت کا اعتراف معروف اقبال شناس پروفیسر رفیع الدین ہاشمی (پاکستان) نے یہ کہہ کر کیا ہے کہ خاور صاحب کی کتاب ''مفتاح اقبال'' اقبالیاتی تحقیق کا ایک مفید ماخذ ہے۔ اسی نوعیت کی دوسری کتاب ''معاون تحقیق'' خاور صاحب کی طویل محنت کا نتیجہ ہے جس کی ضخامت دیکھ کر انسان دھنگ رہ جاتا ہے کہ آج کے مصروف دور میں بھی کیا اس نوعیت کا کام انجام دیا جاسکتا ہے۔

اشاریہ سازی صبر آزما اور وقت طلب فن ہے اس میں رسائل کی ورق گردانی بڑی یکسوئی کے ساتھ کرنا پڑتی ہے۔ اور ساتھ ہی مختلف موضوعات کے تحت مضامین کا بھی اندارج کرنا پڑتا ہے۔ خاور صاحب کی خوبی یہ ہے کہ وہ مضمون کو اندارج تک ہی محدود نہیں رکھتے بلکہ مضمون کا بالاستیعاب مطالعہ کر کے استفادہ بھی کرتے ہیں۔ تاکہ مضامیں کی صحیح نوعیت کا اندازہ ہو سکے، ورنہ بعض مضامین میں مواد ایک طرح کا اور عنوان ایک طرح کا ہوتا ہے ،جس سے طالب علم کو دھوکا ہوتا ہے اور وہ مطلوبہ مواد حاصل کرنے سے قاصر ہوتا ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اشاریہ سازی ایک سنجیدہ فن ہے اشاریہ سازی کی اہمیت کو دیکھ کر خاور صاحب رقم طراز ہیں۔

''تحقیق کے سفر میں پہلا اور غالباً اہم پڑاؤ اشاریہ ہے اشاریہ نگاری کی ترتیب و تدوین میں خصوصی توجہ اور مخصوص فکر و مزاج کی ضرورت ہے۔ حوالوں کے نظام میں اشاریہ کے ذریعہ ایک ترتیب لائی جاسکتی ہے۔ اس سے بکھری اور پھیلی معلومات کو یکجا کرنے اور مطلوبہ مواد تلاش کرنے میں مدد ملتی ہے۔''

زیر تبصرہ کتاب ''معاون تحقیق'' میں کشمیر یونیورسٹی کی اقبال لائبریری میں دستیاب قریباً پانچ سو اُردو رسائل کی خصوصی اشاعتوں کا اشاریہ ہے۔ جن میں آجکل (دہلی)، ادب لطیف (لاہور)، اردو (کراچی)، اردوئے معلیٰ (دہلی)، افکار (کراچی)، اقبالیات (لاہور) اوراق (لاہور)، زبان و ادب (پٹنہ)، ساقی (دہلی)، سب رس

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

(حیدرآباد)، سیپ (کراچی)، شاعر (ممبئی) فنون (لاہور)، فروغ اردو (لکھنو)، فکر و نظر (علی گڈھ)، قلم کار (ڈھاکہ)، قومی زبان (کراچی)، کتاب (لکھنو)، عصر ادب (دہلی)، شیرازہ (سرینگر) مہر نیم روز (کراچی)، نقوش (لاہور)، کتاب نما (دہلی)، گفتگو (ممبئی) وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

دیباچہ میں مرتب نے اشاریہ سازی کے فن اور تاریخ پر مفصل روشنی ڈالتے ہوئے بیسویں صدی کو اشاریہ سازی کے عہد سے موسوم کیا ہے۔ کیونکہ اشاریہ سازی کی بدولت ہی محقق مطلوبہ معلومات تک رسائی پاسکتا ہے ورنہ علوم کے بحر ذخار میں گوہر مقصود تلاش کرنا ایک بڑا مسئلہ ہے کیونکہ ایک محقق کو علمی ذخائر میں کام کی چیزیں تلاش کرنے میں کافی عرصہ لگ جاتا ہے۔ بعض محققین تو تحقیق کی بھول بھلیوں میں اس طرح گم ہو جاتے ہیں کہ وہ اپنے مقصد میں ناکام و نامراد لوٹتے ہیں۔ اس لئے ضرورت ہے کہ اشاریہ سازی کے فن کو پروان چڑھایا جائے۔ تاکہ نئی نسل کے محققین اس سے استفادہ کرسکیں۔

کتاب کے آخر پر اماکن، شخصیت، انشاء پرداز، ڈرامہ نگار، سیاسین، شعراء، صحافی، طنز و مزاح، علماء، ماہر لسانیات، محققین، مصلحین، معلمین، مورخین، نقاد اور متفرقات کے عنوانات کے تحت خاص نمبروں اور سالناموں کا اشاریہ فراہم کیا گیا ہے ان کی نشاندہی اندراج نمبرات سے کی گئی ہے کتاب میں مطلوبہ شمارہ اندارج نمبر کی مدد سے بآسانی تلاش کیا جاسکتا ہے انہیں بھی حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دیا گیا ہے۔

کتاب محققین اور طلباء کے لئے بہت ہی کارآمد اور مفید ہے جب تک تحقیق کی روایت باقی رہے گی، خاور صاحب کی کوششوں کو ہمیشہ سراہا جائے گا۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بے ثمر سچ

۱۹۵۵ء کے بعد جدیدیت کی آمد آمد تھی ہر نیا قلمکار اس نئے رجحان سے اتنا متاثر تھا کہ کئی لکھنے والے اندھی تقلید کر کے تجریدیت اور علامت کی بھول بھلیوں میں ایسے کھو گئے کہ ان کا کہیں نام ونشان تک باقی نہیں رہا۔ اس کے برعکس کچھ افسانہ نگاروں نے روایتی طرز اختیار کر کے ایسی کہانیاں لکھیں جن کی اساس زندگی کے مختلف النوع تجربات و احساسات پر مبنی تھی۔ انہوں نے کہانی میں کہانی پن کو بحال رکھا۔ جو اُس دور میں ایک انحرافی اقدام کے مترادف سمجھا جاتا تھا۔ جب تخلیق کار اپنی ذات میں سمٹ کر رہ گیا تھا۔ وہ اپنے خول سے نکلنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ یہاں تک کہ قاری کی موت واقع ہوتی اگر نورشاہ جیسے تخلیق کار سامنے نہیں ہوتے۔

شاہ صاحب نے اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو صرف افسانوں تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ انہوں نے باقاعدہ ناول بھی لکھے جن میں ایک ناولٹ شاعر کے ناولٹ نمبر میں بھی شائع ہوا ہے۔ آج تک ان کے چھے افسانوی مجموعے اور تین ناول چھپ کر قارئین ادب سے داد وصول کر چکے ہیں۔ زیر تبصرہ افسانوی مجموعہ ''بے ثمر سچ'' ۳۲ کہانیوں پر مشتمل ہے۔ ان کہانیوں میں زندگی کا ہر رنگ ملتا ہے شاہ صاحب نے رومانی اسلوب اپنا کر عصری زندگی کے تقاضوں کو خوبصورت انداز میں پیش کیا۔ کتاب کی ابتداء میں ہی شاہ صاحب اعتراف کرتے ہیں کہ ''زندگی کے دھارے رومان کے چشموں سے پھوٹتے ہیں''۔ جہاں تک اردو ادب میں رومانیت کا تعلق ہے تو سجاد حیدر یلدرم نے ابتداء سے ہی شعوری طور پر اس کا آغاز کیا۔ بعد میں اس رجحان کو پروان چڑھانے میں سلطان حیدر

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

جوش، نیاز فتح پوری، مجنون گورکھپوری، جیسے مقتدر افسانہ نگاروں نے اہم رول ادا کیا۔ اگر دیکھا جائے تو نور شاہ بھی اسی قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔

شاہ صاحب نے افسانوں میں شاعرانہ اسلوب اختیار کیا ہے اگر چہ افسانوں کے لئے شاعرانہ اسلوب اچھا نہیں سمجھا جاتا ہے لیکن شاہ صاحب کی تحریروں کی چاشنی اور حلاوت دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ جب تخلیق کار ایسا طریقہ کار اختیار کرتا ہے جو قاری پر گراں نہیں گزرتا ہے۔ تو ایسا طرزِ اسلوب اختیار کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔

نور شاہ کی کہانیوں پر رائے دیتے ہوئے ڈاکٹر شمع افروز زیدی رقمطراز ہیں۔

''نور شاہ ایک جانب لفظوں، رنگوں، موسیقی کی دلکش تان، بانسری کی لے، وائلن کی دُھن اور جسم کے آہنگ کے ذریعہ انتہائی لطیف انداز میں اپنے احساسات کو واضح کرتے ہیں تو دوسری جانب زندگی کی سنگلاخیت کا ذکر بھی اسی شدومد سے کرتے ہیں اور کیوں نہ کریں کہ موجودہ کشمیر پہلے جیسا جنت بے نظیر رہا بھی تو نہیں''۔

مجموعے کی مرکزی کہانی ''بے ثمر بیج'' میں انسان کی نفسیاتی خواہشات کی عکاسی کی گئی ہے۔ ''اندھیرا یا اُجالے'' میں ہندو مسلم سکھ عیسائی اتحاد دکھایا گیا ہے'' صلیب'' میں احساس گناہ، ''اور'' ایک لمحے کی جنت'' میں امرد پرستی کی تصویر کشی کئی گئی ہے۔ مجموعے میں کشمیر کے پُر آشوب حالات پر علامتی رنگ میں کہانیاں ملتی ہیں۔'' ہیلنگ ٹچ'' اور'' لکیریں'' اس کی عمدہ مثالیں ہیں۔ ناقدانِ ادب کا ماننا ہے جب افسانے میں مواد اور زبان دونوں گھل مل جاتے ہیں تو ایک اچھی کہانی کا خمیر تیار ہوتا ہے۔ اس کی واضح مثال شاہ صاحب کے افسانوں میں ملتی ہے۔

شاہ صاحب افسانوں میں نفسیاتی پیچ وخم کو ایسے پیش کرتے ہیں کہ قاری مسحور ہو کر ایک تخیلی دنیا کی سیر کرتا ہے۔ کہانی میں ابتدائی صورت پیش آنے سے پہلے ہی وہ اختتامی مکالمے ایسے ادا کرتے ہیں کہ پڑھنے والے میں تجسس بڑھتا ہے۔ اور وہ شش وپنج میں مبتلا ہوتا ہے۔'' دستک'' میں افسانے کا مرکزی کردار جب پرمیلا کے حسن کے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

بہکاوے میں آتا ہے تو اچانک بیوی کے فون سے ساری صورتحال بدل جاتی ہے۔

''دفعتاً فون کی گھنٹی بج اُٹھی، میں نے ریسور اُٹھایا دوسری جانب سے میری بیوی بول رہی تھی'' آپ کب آرہے ہیں، آپ کو جلدی آنا چاہیے بلکہ ابھی اسی وقت.... آپ کی بیٹی.... میرا مطلب ہے ہم دونوں کی بیٹی الکا شادی کر رہی ہے، اپنے پروفیسر ناتھ کے ساتھ، جو شادی شدہ ہے جس کے بچے ہیں اور پھر ہماری بیٹی کی عمر سے اس کی عمر بہت زیادہ ہے آپ آرہے ہیں نا، جلدی کیجئے .....آپ میری بات سن رہے ہیں نا، آپ کچھ بولتے کیوں نہیں'' مجھے لگا جیسے میری سوچ کے دروازے پر کوئی دستک دے رہا ہے، شاید میری اپنی بیٹی.....!!

اکثر تخلیق کاروں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ لکھتے لکھتے اوب جاتے ہیں یا ہوا دیکھ کر رخ بدلتے ہیں۔ اس کے برعکس نور شاہ پانچ دہائیوں سے مسلسل اپنا تخلیقی سفر جاری رکھے ہوئے ہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے اپنے تخلیقی سوتوں کو خشک ہونے کے بجائے ہمیشہ رومان پرور اور معطر ذہنیت سے خود کو سیراب رکھا اور اپنے ہی مسلک و مذہب پر قائم و دائم رہے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

نوائے سروش

اردو ادب میں رثائی ادب کا وافر خزانہ موجود ہے۔ مرثیہ نگاروں نے واقعہ کربلا کے ہر پہلو پر طبع آزمائی کر کے حضرت حسینؓ کے تئیں عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ جن شعرائے کرام نے اس صنف کو بام عروج تک پہنچایا۔ ان میں دلگیر، فصیح، خلیق، ضمیر، دبیر اور میر انیس قابل ذکر ہیں۔ جہاں شعراء نے رثائی ادب میں اضافے کئے، وہیں محققین نے بھی رثائی ادب کی بازیافت کر کے اس فن کو وسعت دی ہے۔ جن محققین نے رثائی ادب کے حوالے سے کئی کارہائے نمایاں انجام دیئے، ان میں عرفان ترابی قابل ذکر ہیں۔

عرفان ترابی نرالے قسم کے محقق ہیں۔ وہ نہ کسی سرکاری ادارے سے منسلک ہیں اور نہ کس سند کی خاطر تحقیق کرتے ہیں عرفان ترابی پیشہ کے لحاظ سے کاروبار کرتے ہیں لیکن اپنے شوق و ذوق کی سیرابی کے لئے تحقیق کی دشوار گذار گھاٹیوں میں سرگرداں رہتے ہوئے رثائی ادب پر کام کرتے ہیں۔ جس کا ثمرہ چار کتابوں کی شکل میں سامنے آچکا ہے۔ عرفان کی یہ چاروں کتابیں تحقیق و تدوین کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ جو (۱) ارتہ اوش (کشمیر ہندو اور سکھ شعراء کا رثائی کلام) ۲۔ خوناب (کشمیری مسلمان شعراء کا رثائی کلام) ۳۔ نوائے مقتل (اردو کے سکھ شعراء کا رثائی کلام) اور ۴۔ نوائے سروش (اردو کے ہندو شعراء کا حمدیہ، نعتیہ اور رثائی کلام) کے نام سے داد و تحسین حاصل کر چکی ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب ''نوائے سروش'' ہندو شعراء کے حمد، نعت، منقبت اور مراثی پر مشتمل ہے۔ اس میں تیرہ حمدیہ تخلیقات، پچاس نعتِ شریف، اٹھارہ منقبت، اور ایک

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

سوسولہ مراثی کے علاوہ تین عیسائی شعراء کی تخلیقات بھی شامل ہیں۔ کتاب میں ۱۰۹ شعراء کو شامل کیا گیا ہے جن میں اردو کے نامور شعراء کے علاوہ گمنام شعراء کی ایک طویل فہرست بھی شامل ہے جن کی بازیافت کر کے موصوف نے ایک اہم فریضہ ادا کیا ہے۔ ان شعراء میں جگن ناتھ آزاد، کرشن کمار طور، سوہن راہی، جوش ملسیانی، پریم کمار نظر، کالی داس گپتا رضا، عابد منادری، کمار پاشی، رام پرکاش راہی، کلدیپ گوہر، ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ دہلوی، چھنو لال دلگیر، روپ کماری، مالک رام آنند، بیتاب جے پوری، یش شرما، طالب ایمن آبادی، نانک چند عشرت، مخمور لکھنوی، پنڈت لچھمن پرشاد شرما، دواکر راہی، جمبور جالندھری، نوبہار صابر، گیان چند منصور، جگدیش راج دل کاشمیری وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

نوائے سروش تحقیق وتدوین کے اعتبار سے رثائی ادب میں گرانمایہ اضافہ ہے۔ رثائی ادب پر اتنا کام کرنے کے باوجود موصوف کو یہ احساس ہے کہ ابھی بہت سا کام باقی ہے جس کی طرف موصوف خود اشارہ کرتے ہیں کہ '' کلام کی وافر مقدار اب بھی مخطوطوں کی صورت میں لائبریروں اور ذاتی بستوں میں مقید ہے پتہ نہیں کتنے شعراء کا کلام ضائع ہوا ہوگا اور رسائل وجرائد میں مقید کتنا کلام محققین کی راہیں تکتا ہوگا''۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ کوئی کام حرف آخر نہیں ہوتا۔

عرفان ترابی نے موضوع کو مدنظر رکھ کر شعراء کے کلام کی ترتیب وتدین کی ہے جس سے کچھ شعراء کے کلام میں کمزور شعر بھی در آئے ہیں۔ اس کے باوجود بھی کتاب کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ خصوصاً جب اردو کو صرف مسلمانوں سے جوڑنے کی مذموم کوشش کی جارہی ہو۔ عرفان ترابی نے غیر مسلم شعراء کا کلام تدوین کر کے اس بات کا واضح ثبوت فراہم کیا ہے کہ اردو صرف مسلمانوں کی زبان نہیں بلکہ ہر اس شخص کی زبان ہے جو اردو سمجھتا اور بولتا ہے۔ قارئین کی دلچسپی کے لئے کچھ نمونے کلام پیش ہے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

حمدیہ کلام

ہے سب سے بلند سرفرازی تیری
سب پہ حاوی ہے کارسازی تیری
(جوش ملسیانی)

اس بزم کائنات میں محسوس کیجئے
اُس رب العالمین کا ہر سو ظہور ہے
(جگدیش راج دل کاشمیری)

سب سے افضل سب سے برتر نام تیرا
اللہ اکبر اللہ اکبر نام تیرا
(نوبہار صابر)

نعتیہ کلام

سلام اے سازِ ایمانی، سلام اے سوزِ قرآنی
سلام اے حرفِ روحانی، سلام اے نطقِ ربانی
(جگن ناتھ آزاد)

ڈھل گئے جس کی عنایت سے دلِ منکر کے داغ
محفلِ نیکی میں روشن ہو گئے گھی کے چراغ
(کالی داس گپتا رضا)

جہاں پر ہے روشن مقام محمد ﷺ
زمانے کے لب پر ہے نام محمد ﷺ
(گیان چند منصور)

مرثیہ

قدم قدم پر جھکایا عدو کے لشکر کو
کچھ ایسے جنگ میں نقشے جما دیئے تو نے
(سریندر سرمد)

خونِ حسین سے میری آنکھیں ہیں خونچکاں
قتلِ حسین کا میرے دل پر اثر ہے آج
(یوگ راج)

یوں تو میدان میں بہت تان کے خنجر آئے
کام اسلام کے آئے تو بہتر آئے
(ہربھگوان شاد)

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

گلِ زعفران اور پانپور

مشہور ہے ایک یونانی مفکر سے کسی نے سوال کیا، سب سے بڑا ظالم کون ہے؟، تو انہوں نے برجستہ جواب دیا'' جو اپنے اندر پوشیدہ خوبیوں کو نہیں پہچانتا''۔اس مقولے سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ نے ہر انسان کے اندر کوئی نہ کوئی خوبی پوشیدہ رکھی ہے۔ بہت کم ایسے خوش قسمت ہوتے ہیں جو اپنی خوبیوں کو بروقت استعمال میں لاتے ہیں۔اسی لئے کہا جاتا ہے کہ Genuins (نابغہ) بننے کے لئے ضروری ہے کہ صد فیصد اپنی پوشیدہ قابلیت کو محنت سے نکھارا جائے، تو نتائج غیر معمولی نکلتے ہیں۔اسی طرح کے ایک نابغہ شخص ڈاکٹر ثناء اللہ آہنگر سے میری ملاقات یونیورسٹی کے نسیم باغ میں ہوئی، جن کے چہرے پر متانت، آنکھوں میں گہرائی، باتوں میں سنجیدگی اور ہاتھوں میں ایک بریف کیس تھا۔جس میں کتابوں کا ایک بنڈل سلیقہ سے رکھا ہوا تھا۔لباس سے عام قسم کے آدمی لگتے تھے، لیکن باتوں باتوں میں معلوم ہوا موصوف نرالے قسم کے محقق ہیں۔میں نے ''نرالے قسم کا محقق'' اس لئے کہا کہ اس دور میں وہی تحقیق کی دشوار گذار گھاٹیوں میں چلنے کو ترجیح دیتا ہے جو کسی قسم کی سند پانے کا خواہش مند ہو یا نوکری میں انکریمنٹ اور پروموشن کی طلب رکھتا ہو، چونکہ موصوف کالج لکچرر کی حیثیت سے سبکدوش ہو چکے ہیں تو ان کو تحقیقی کارنامہ انجام دینے کے بعد کوئی مادی فائدہ ملنا بعید از قیاس ہے۔میری حیرانی کی انتہا نہیں رہی جب ڈاکٹر صاحب نے سنسکرت کے مشہور و معروف شاعر پنڈت بلہن کا ایک اشلوک ایسے سنایا جیسے کوئی کشمیری اپنی مادری زبان میں کوئی شعر پڑھ رہا ہو۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

سہو دھرکُم کُم کیسران نام بونتہ

نونوم کوِ تاوِلاساھا
نشارِ دِھادیشم اپاس
درشٹھامیامیھ آمِ پروھا

ڈاکٹر صاحب کی زبانی یہ شلوک سن کر پروفیسر م۔ح۔ ظفر پر عجیب کیفیت طاری ہوئی اور وہ بھی آہستہ آہستہ یہ شلوک دیر تک دہراتے رہے۔

موصوف نے کئی سال کی محنتِ شاقہ کے بعد ''گلِ زعفران اور پانپور'' کے عنوان سے ایک تحقیقی کارنامہ انجام دیا ہے۔ لیکن اس بارِ گراں دور میں جہاں ہر چیز بکتی ہے لیکن ایک ادیب کی کتاب نہیں بکتی، اس صورت حال کے بعد بھی موصوف کی ہمت اور دلیری دیکھیے کہ انہوں نے اس کتاب کو ایک نہیں بلکہ تین زبانوں کشمیری، اردو اور انگریزی میں بیک وقت شائع کیا ہے۔ اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں زعفران کے ساتھ ساتھ کشمیر کی سیاسی و سماجی تاریخ بھی حوالوں کے ساتھ درج ہے۔ کتاب میں کلیدی طور پر جن چیزوں پر زیادہ زور دیا ہے وہ مختصراً اس طرح ہیں۔

زعفران کس زبان کا لفظ ہے؟ اس کی کاشت کے اسباب کیا ہیں؟ اس کی کتنی قسمیں ہیں؟ کشمیر میں اس کی تاریخی حیثیت کیا ہے؟ زعفران پانپور کے علاوہ کس کس جگہ کاشت کیا جاتا ہے؟ زعفران سے کیا کیا عقیدے وابستہ ہیں؟ کس کس شاعر کے یہاں زعفران کا ذکر ملتا ہے؟ اس صنعت کے روبہ زوال ہونے میں کیا کیا محرکات ہیں۔

موصوف نے زعفران کی ترقی و ترویج میں مختلف ادوار کا جائزہ پیش کرتے ہوئے مغل، افغان، پٹھان، سکھ اور ڈوگرہ دور کی بھی عکاسی کی ہے۔ مغل دور کے حوالے سے ایک واقعہ قارئین کی دلچسپی کے لکھ رہا ہوں۔

''مغل دور میں شاہ جہاں کے دور میں کشمیر کا حاکم اعتقاد خاں تھا جس نے دس سال کشمیر پر حکومت کی۔ ان دس سالوں میں اعتقاد خاں نے کشمیریوں کا جینا حرام کردیا

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

تھا۔لوگ اس کے ظلم وستم سے تنگ آ گئے تھے، جب شاہ جہاں کشمیر سیر کرنے کی غرض سے آئے تو ملا ندیم نے موقعہ کی نزاکت دیکھ کر ایک قصیدہ شاہ جہاں کی خدمت میں پیش کرنے کی اجازت مانگی تو انہوں نے اعتقاد خاں کے مظالم اور جبر واستبداد متاثر کن انداز میں پیش کئے۔

زعفران گویند! خندان سازند اندو ہناک را
آمدنداز زعفران درگریہ جمعی بے گناہ
عدل را فرما کہ ایں قوم از بلا گردو اخلاص
داورا! بر گو کہ این جمع زالم یا بدنجاہ

(گل زعفران سے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ مغموم انسانوں کو خوشی اور مسرت سے بھر دیتا ہے، لیکن کشمیری مالکان زعفران کا یہ حال ہے کہ وہ اسقدر روتے روتے ہچکیاں لگاتے ہیں اور بے گناہوں کا آنسو بہاتے ہیں۔اے انصاف کرنے والے بادشاہ ان پر رحم کھا، تا کہ ان غموں سے ان کو چھٹکارا ملے، جن میں وہ کروٹیں بدلتے ہیں)

جب شاہ جہاں نے یہ قصیدہ سنا تو انہوں نے اعتقاد خاں کو معزول کر دیا۔

زعفران کی ابتدا کے متعلق محمد یوسف ٹینگ، محمد امین کامل اور ہرگوپال خستہ کے بیانات کے مطابق زعفران کی کاشت قریباً ۵ سو سال پرانی ہے جس کا اشارہ لوک گیتوں میں ملتا ہے۔موصوف نے تاریخی شواہد سے یہ ثابت کیا ہے کہ زعفران کا بیج ابتداء میں شیوجی نے پانپور کی زمین میں لگایا جسکی وجہ سے اسے کشمیر جنمی بھی کہا جاتا ہے۔کتاب میں مقامی شعراء کے حوالے سے زعفران کی تعریف میں لل دید، شیخ العالم اور احمد بٹواری کے کلام کے نمونے جگہ جگہ ملتے ہیں۔اگر ایسا کارنامہ ڈاکٹر صاحب کسی دوسری ریاست میں انجام دیتے، تو حکومت ان کو اعزاز واکرام سے نوازتی، لیکن یہاں یہ ستم ظریفی ہے کہ موصوف اپنی کتاب کی نکاسی کے لئے خود تعلیمی اداروں کے عہدہ داروں سے کتاب لینے کی التجا کرتے ہیں۔لیکن وہاں پر بیٹھے نام نہاد عہدہ دار یہ کہہ کر کتاب نہیں لیتے کہ فنڈس نہیں ہیں لیکن ساتھ ہی complementry copy لینے سے بھی نہیں چوکتے۔

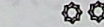

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

انسان

ڈراما ادب کی سب سے قدیم صنف ہے۔ ہندوستان اور یونان دنیا کے وہ دو ملک ہیں جہاں ڈرامے نے پہلے پہل آنکھیں کھولیں۔ چناچہ ڈرامے کے اصول بھی سب سے پہلے یہیں زیرغور آئے۔ بھرت منی نے ہندوستان میں اور ارسطو نے یونان میں ڈرامے کے مسائل پر غور کیا۔ ڈراما الفاظ سے نہیں بلکہ عمل سے بنتا ہے۔ اسی لئے ارسطو نے ڈرامے کو عمل کی نقل کہا ہے۔ ڈراما زندگی کی ایسی نقل ہے۔ جو اداکاروں کے ذریعے دیکھنے والوں کے سامنے اسطرح پیش کی جاتی ہیں کہ یہ بالکل سچی اور اصلی معلوم ہو۔ تکنیکی طور پر ڈرامے میں تین چیزیں پلاٹ، کردار نگاری اور زبان وبیان ہونا لازمی ہے۔ واقعات کی ترتیب اس طرح ہو کہ ہر نیا واقعہ پرانے واقعہ کا حصّہ لگے۔ کردار نگاری کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہر کردار کی نفسیات کا خاص خیال رکھ کر ہی مکالمے ادا کئے جائیں۔ کردار کی عمر، طبقے، تعلیم وتربیت اور خاندانی امور کا لحاظ رکھا جائے۔ تاکہ دیکھنے والے پر گہرا اثر ہو سکے۔ زبان وبیان کے اعتبار سے ایجاز واختصار ڈراما کی روح ہے۔

اردو میں ڈراموں کی ایک طویل روایت موجود ہے۔ لیکن جن ڈراموں کو کتابی شکل میں شائع کیا گیا۔ ان میں امانت لکھنوی کا اندر سبھا، آغا حشر کاشمیری کا اسیر حرص، امتیاز علی تاج کا انارکلی، کرشن چندر کا دروازہ کھول دو، محمد مجیب کا خانہ جنگی اور محمد حسن کا ضحاک بہت ہی مشہور ڈراما ہیں۔ ریاستی سطح پر جن ڈراما نگاروں نے ڈراموں کے مجموعے شائع کئے ان میں آنند لہر اور ورندر پٹواری قابل ذکر ہیں۔

ورندر پٹواری منجھے ہوئے افسانہ نگار ہیں ان کے کئی افسانوی مجموعے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

منظر عام پر آچکے ہیں۔ پٹواری صاحب کی ادبی خدمات کو سراہتے ہوئے ماہنامہ ''شاعر'' (ممبئی) نے ان پر ایک گوشہ بھی شائع کیا۔۔ پٹواری صاحب پیشہ سے انجینئر ہیں اور ان کے لکھنے کی بنیادی وجہ زبان و ادب سے انکا کمٹ منٹ ہے ورنہ چند سال قبل وہ جس خطرناک حادثے سے گزرے ہیں اس سے باہر نکلنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ مختلف جسمانی عاجزیوں کے باوجود ان کے اشہب قلم کی رفتار میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔ جو اس بات کی غمازی کر رہا ہے کہ تخلیقی سوتے بھی خشک نہیں ہوتے۔ جس کا اظہار انہوں نے اپنے تازہ ڈراما مجموعے ''انسان'' کو شائع کر کے کیا ہے۔

زیر نظر کتاب ''انسان'' ۱۲ ڈراموں پر مشتمل ہے۔ کتاب کی ابتداء میں پٹواری صاحب نے اپنے تخلیقی سفر کا ایک اجمالی خاکہ پیش کیا ہے۔ پیش لفظ ریاست کے مشہور و معروف ادیب و فلمساز وید راہی نے لکھا ہے جس میں انہوں نے صاف طور پر پٹواری صاحب کی ادبی خدمات کو سراہتے ہوئے لکھا ہے۔

> ''ورندر بھائی کے منتخب موضوعات، منفرد اسلوب اور معنی خیز مکالموں کی روانی اور کچھ ایسے معاشرے کے عکس دکھانے کی کوشش کی، جن کو عام لوگ دُھند اور دھوئیں کی وجہ سے دیکھ نہیں پاتے یا جن کو یہ عکس دھندلے آئینوں میں دکھا کر گمراہ کیا جاتا ہے وہ ان کے ڈرامے پڑھ کر ان کے زاویوں سے زندگی کا جائزہ لے کر زندگی کی سچائیاں جاننے کی کوشش کریں گے''۔

ڈراما ادب کی واحد صنف ہے جس کو صرف دیکھا جاتا ہے لیکن جب ڈراما کو صفحہ قرطاس کے حوالے کیا جاتا ہے تو اس کو پڑھنے میں کوفت محسوس ہوتی ہے۔ جہاں تک ورندر پٹواری کے ڈراموں کا تعلق ہے وہ صرف دیکھے ہی نہیں جاتے بلکہ دلچسپی کے ساتھ پڑھے بھی جاتے ہیں۔۔ زبان درست اور مکالمے چست ہیں کہیں کہیں ڈراما میں معنویت پیدا کرنے کے لئے اشعار کا بھی برمحل استعمال کیا گیا ہے۔ جس سے ڈراما نگار کے ادبی ذوق کا پتا چلتا ہے۔ ڈراما نگار نے اپنے موضوعات عصری زندگی سے مستعار

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

لئے ہیں جس سے ڈراموں میں حقیقت نگاری عیاں طور پر جھلکتی ہے لیکن کتاب میں شامل ڈراموں کے اکثر کردار یک رنگی کے شکار ہو گئے ہیں فاضل ڈراما نگار نے کرداروں کے نام عمر اور رتبہ کے لحاظ سے تراشے ہیں مثلاً بوڑھا، جوان، چھوٹو، دادی، پہلا، دوسرا، فقیر، آدم سپاہی وغیرہ۔ جس سے کوئی کردار اپنی چھاپ نہیں ڈال سکا ہے

کتاب کے مرکزی ڈراما ''انسان'' میں ایک انسان کی نفسیات کے بدلتے پہلوؤں کو موضوع بنایا گیا ہے کہ کس طرح انسان گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا ہے۔ باہری شکل وصورت کبھی کبھی دھوکہ کا باعث بھی بنتی ہے۔ ''شکاری'' میں مبہم طور پر ایک ایسی کہانی پیش کی گئی ہے جس کو پڑھکر بقولِ ویدراہی کشمیر کے حالات کی عکاسی ہوتی ہے۔ لیکن جب اس ڈراما کا گیرائی سے مطالعہ کرتے ہیں تو ایسی صورت حال کا سامنا ہر جگہ ملے گا۔ پٹواری صاحب کی انفرادیت یہ ہے کہ وہ ڈراموں میں منطقی اختتام پر یقین رکھتے ہیں۔ جس سے کچھ ڈرامے طویل بھی ہو گئے ہیں اور مختصر بھی۔ مجموعے میں طویل ڈراما ''صبح'' سینتیس (۳۷) سین اور ''مختصر ترین ڈراما'' ''پوشی'' میں دو سین پر مشتمل ہے۔ جس سے ڈراما نگار کی ژرف نگاری اور منطقی سوچ کا ربط بھرپور دکھائی دیتا ہے۔

کتاب میں مجموعی طور پر کچھ اچھے ڈرامے پڑھنے کو ملتے ہیں بشرطیکہ ان کو صرف ایک ہی نشست میں پڑھا جائے۔ جبھی ایک تاثر قائم رہتا ہے۔ ہم امید کرتے ہیں جو حضرات ٹی وی اور ریڈیو کے لئے ڈرامے لکھتے ہیں وہ بھی پٹواری صاحب کی روش اپنا کر اپنے تخلیقی تجربوں کو دوام بخشے۔ تاکہ آنے والی نسلیں ان سے استفادہ کر کے نئے نئے کارنامے انجام دے سکیں۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

منتخب کشمیری افسانوں کا اُردو روپ

ہر زبان کو وسعت دینے کے لئے ضروری ہے کہ دوسری زبانوں کے اعلیٰ اور شاہکار تخلیقات کا ترجمہ کیا جائے تا کہ زبان میں وسعت پیدا ہو سکے۔ جبھی ایک زبان ترقی پذیر شمار ہوتی ہے۔ اس حوالے سے جب اردو زبان کا غائر مطالعہ کیا جائے ہے تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ دنیا کی ہر بڑی کتاب کا ترجمہ اردو میں ہو چکا ہے۔ چاہئے وہ قرآن ہو یا انجیل مقدس، ارسطو کی بوطیقا ہو یا افلاطون کی ریاست، شیکسپیئر کے ڈرامے ہوں یا ڈانتے کی ڈیوئن کومیڈی، ٹیگور کے گیت ہوں یا کانٹ کا فلسفہ، مثنوی مولانا روم ہو یا گلستان سعدی، غرض دنیا کی اعلیٰ اور معیاری کتابیں اردو میں ترجمہ کی بدولت منتقل ہو چکی ہیں۔ اردو میں جن فاضل اور قابل مترجمین کی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا، ان میں پروفیسر محمد مجیب، ڈاکٹر سید عابد حسین، پروفیسر ہارون خان شیروانی، وحید الدین خان سلیم، مولانا عبدالماجد دریابادی اور ڈاکٹر ذاکر حسین وغیرہ اہمیت کے حامل ہیں۔ جہاں تک ریاست جموں و کشمیر کا تعلق ہے جن حضرات نے ترجمہ کے میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں ان میں شمس الدین احمد، سلطان الحق شہیدی، عبدالغنی شیخ، ستیش وِمل، ابن اسماعیل، پیارے ہتاش اور مصرہ مریم وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

مصرہ مریم نے کشمیری افسانوں کو اردو جامہ پہنا کر ایک قابل تعریف کام انجام دیا ہے۔ زیر تبصرہ کتاب ''منتخب کشمیری افسانے'' میں انیس کشمیری افسانوں کا اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ جو سہ ماہی ''جہات'' میں وقفہ وقفہ شائع ہوتے رہے ہیں۔ مترجمہ نے کشمیر زبان کے مستند اور مقبول افسانہ نگاروں کا انتخاب کیا ہے جو ان کے وسعتِ مطالعہ اور کشادہ نظری کا بین ثبوت ہے۔ کتاب کی ابتداء میں ہی مترجمہ نے ''حرف اوّل'' کے

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

تحت کشمیری افسانوں کا مفصل جائزہ لیا ہے جس میں کشمیری افسانہ کی ابتداء وارتقاء پر تاریخی اور تنقیدی نظر ڈالی گئی ہے۔ مترجمہ نے اپنی مرضی سے افسانوں کا انتخاب کیا ہے جس کا اعتراف وہ یوں کرتی ہیں۔

''میری نظر ترجیحی طور پر ایک تو افسانہ نگاروں کے ان افسانوں پر رکی ہے جو content کا اعلان نامہ نہیں بلکہ متکلم، مخاطب، واقعہ، اور کردار کے عمل اور ردعمل سے ایک تخیلی صورت حال کو پیش کرتے ہیں۔ اس سے افسانہ حقیقت نگاری کے سادہ اور بیانیہ سے گریز کر کے ایک دلچسپ اور تہہ دار اکائی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ دوسرے ان افسانوں پر بھی میری نظر رُکی جو کشمیری زندگی، ماحول، سیاسی اور سماجی صورت حال کی فنکارنہ عکاسی کرتے ہیں''۔

ترجمہ ایک مشکل فن مانا جاتا ہے یہاں تک کہ ترجمہ کے لئے ''دانتوں پسینا آنا'' محاورہ استعمال کیا جاتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ مترجم دونوں زبانوں پر یکساں دسترس رکھتا ہو۔ کیونکہ ہر زبان کا اپنا مزاج اور معیار ہوتا ہے۔ اس حوالے سے مصرہ مریم صاحبہ نے بڑی فنکاری اور دلسوزی کے ساتھ افسانوں کا ترجمہ کرتے ہوئے حتی لامکان اصل متن کے قریب رہنے کی کوشش کی ہے۔ جس سے کتاب میں translation کے بجائے transcretion کے نمونے ملتے ہیں شاید اس لئے کہ مترجم کا کشمیری افسانوں کے ساتھ دلی نسبت ہے ایسے ہی ترجموں کو پروفیسر آل احمد سرور تخلیق کے برابر مانتے ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب میں کشمیر کے اعلیٰ پائے افسانہ نگاروں کے شاہکار ملتے ہیں۔ جن کو اکثر و بیشتر ناقدانِ ادب ملحوظِ نظر رکھتے ہیں۔ شاید اسی لئے مترجم نے ان افسانوں کا انتخاب عمل میں لایا ہو۔ کتاب کی خوبی یہ ہے اس میں خالی افسانوں کا ترجمہ ہی نہیں ہے بلکہ افسانہ نگاروں پر ایک جامع تعارف بھی پیش کیا گیا ہے۔ جن افسانہ نگاروں کے افسانے کتاب میں شامل ہیں۔ ان میں شام لال سادھو (بلائے بے درماں)، سوم

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ناتھ زتشی (چھک چھک چھک) ،امین کامل (پھاٹک) ،علی محمد لون (شنیہ) ،غلام نبی بابا (کردگاری) ،اختر محی الدین (تم ہی تم) ،صوفی غلام محمد (مال دید) حامدی کاشمیری (ملبہ) ،ہری کرشن کول (ابھی تو رات ہے) ،ہردے کول بھارتی (پلیٹ فارم کے اس پار) ،رتن لال شانت (پہلا سبق) ،بنسی نردوش (ایک احساس) ،ڈاکٹر شنکر رینہ (کچھ لکیریں کچھ نقطے) ،سید رسول پوپر (اب کہاں جاوگے) ،امر مالموہی (آدم خور) ،گلشن مجید (وہ) ،انیس ہمدانی (ریڈیو اعلان کے بعد) ،فاروق فیاض (سپیڈ بریکر) ،ناصر منصور (سایہ) اور محمد شعبان نور پوری (یہی پری ہے) قابلِ ذکر ہیں۔

مترجم نے کشمیری افسانہ کے زوال پر بات کرتے ہوئے صاف لکھا ہے کہ

''آج کشمیری افسانہ موضوعی، فنی اور تخلیقی اعتبار سے ترقی کی راہ پر گامزن ہوتے ہوئے بھی منزل سے دور نظر آتا ہے۔ایک وجہ یہ ہے کہ نئی نسل کے باصلاحیت قلمکار بلکہ چند بزرگ افسانہ نگار بھی کسبِ زر کے لئے یا حصول شہرت کے لئے ٹیلی ویژن سیریل لکھنے کی طرف راغب ہوگئے ہیں۔اس لئے اب کشمیری زباں میں جاندار اور تخلیقی افسانوں اور ناولوں کی کمی کا احساس ہوتا ہے۔''

کتاب کی اہمیت کو کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے جو حضرات کشمیری پڑھنے اور سمجھنے سے قاصر ہوں، ان کے لئے یہ کتاب بہت ہی مفید ہے۔خصوصاً نئی نسل کے افسانہ نگاروں کے لئے اس کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ہم امید کرتے ہیں کہ مصرہ مریم صاحبہ اپنے اس کام کو جاری وساری رکھ کر کشمیری افسانوں کو اردو حلقے تک پہنچا کر قارئین سے دادِ تحسین وصول کرتی رہیں گی۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

''کچھ لمحے کچھ سائے''

ریاست سے باہر رہ کر جن کشمیری افسانہ نگاروں نے مستقل مزاجی سے افسانے لکھے۔ ان میں وریندر پٹواری ،دیپک کنول اور اشوک پٹواری قابل ذکر ہیں۔ان تینوں افسانہ نگاروں کی کہانی کا کینوس مختلف ہے۔وریندر پٹواری کے افسانوں میں کشمیر کے کردار اور ہندو متھالوجی کے موضوعات ملتے ہیں ۔دیپک کنول کی اکثر کہانوں میں کشمیر کا ایک ہی رخ ملتا ہے جس میں یہ دکھانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ کشمیری پنڈت برادری کے ساتھ کیسا ناروا سلوک برتا گیا۔اس کے برعکس اشوک پٹواری عام زندگی سے جڑے واقعات پر کہانیاں لکھتے ہیں۔

اشوک پٹواری کشمیر کے مایہ ناز شاعر مسرورؔ کاشمیری (پنڈت پریم ناتھ پٹواری) کے فرزند اور اردو کے کہنہ مشق افسانہ نگار وریندر پٹواری کے چھوٹے بھائی ہیں۔اشوک پٹواری پیشہ سے ڈاکٹر ہیں لیکن عدیم الفرصت ہونے کے باوجود بھی کہانیاں لکھتے ہیں۔ان کے افسانوں کا مجموعہ ''کچھ لمحے کچھ سائے'' ۲۳ کہانیاں پر مشتمل ہیں۔ اس میں بیشتر کہانیوں میں ہسپتال کا ماحول نظر آتا ہے۔ہر کہانی میں حقیقت پسندانہ نظریہ اپنایا گیا ہے۔بقول نور شاہ:-

> ''اشوک پٹواری فنکارنہ انداز سے زندگی کے حقائق اور اس کی اصلیت کی عکاسی کرتے ہیں۔ان کی کہانیوں میں جو رومانیت ہے وہ گمراہ کن نہیں،اس رومانیت میں کشمیر کے پانی کی مٹھاس ہے،کشمیر کے سیبوں کی تازگی ہے ان کے طرز بیان میں انسانیت کا درد پوشیدہ ہے''کچھ لمحے کچھ سائے''میں یہ درد کچھ شدت سے ہی اُبھر آیا ہے کہ پڑھنے والا سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے''

اشوک پٹواری مختصر انداز میں کہانی کہنے کا گُر بخوبی جانتے ہیں۔وہ اپنی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کہانیوں کے لئے زندگی سے جڑے واقعات وحادثات سے مواد لیتے ہیں۔ان کی اکثر و بیشتر کہانیوں میں واحد متکلم کا کردار سامنے آتا ہے جو قاری کو اپنے ساتھ کہانی کی گہرائیوں میں لے جاتا ہے۔لیکن کبھی کبھی کہانی میں ناصحانہ انداز اختیار کرنے سے قاری کی دلچسپی ماند پڑ جاتی ہے۔کہانیوں میں زبان و بیان نہایت سادہ اور سلیس برتا گیا ہے جس سے کہانی میں حسن پیدا ہو گیا ہے۔

مجموعے کی مرکزی کہانی ''کچھ لمحے کچھ سائے'' میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ کیسے ڈاکٹر کی ایک لاپروائی سے کسی کی جان بھی جاسکتی ہے۔''ریس کورس کے گھوڑے'' میں دنیا کی حقیقت بیان کی گئی ہے کہ کوئی لنگڑے گھوڑے پر داؤ نہیں لگاتا ہے۔بلکہ دنیا میں چڑھتے سورج کی پوجا کی جاتی ہے۔''پپو'' میں ایک محنتی اور قابل کلرک کی نفسیاتی کشمکش کو موضوع بنایا گیا ہے کہ کس طرح اس کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔''بہتا پانی'' میں جنریشن گیپ کو پاٹتے ہوئے دادا اور پوتے کے رشتے کو استوار کرنے کی مثبت کوشش کی گئی ہے۔''فرشتہ'' میں سیاسی پروپگنڈہ کی نقاب کشائی کی گئی ہے۔کس طرح عام انسان کا استحصال کیا جاتا ہے۔'میں زندہ ہوں'' میں زندگی کی بنیادی حقیقت کو خوبصورت انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

زیر تبصرہ مجموعے کی یہ خاصیت ہے کہ افسانہ نگار نے کتاب کا پیش لفظ'' دستک'' افسانوی انداز میں تحریر کیا ہے۔جس میں کشمیر کے حالات کی عکاسی ،انسانی نفسیات کی تصویر کشی اور ٹوٹتے خوابوں کی تعبیریں دیکھی جاسکتی ہیں۔

''میں اپنی بیٹی کو ترستی نظروں سے دیکھتا ہوں۔کیا میری بیٹی بھی چلے گی۔اسکول جائے گی۔موسم بہار میں کلیوں کو دیکھ کر مسکرائے گی۔موسم سرما میں برف سے ڈھکا ہوا سنگ مرمریں لحاف میں لپٹا ہو گلمرگ ....جھیل ڈل میں تیرتی ہوئی سفید سفید

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

مرغابیاں دیکھ سکے گی۔ میرے خواب ٹوٹتے نظر آرہے ہیں۔ دروازے پر دستک کی آواز..... بھاری جوتوں کی چاپ..... دل سوز چیخوں کی آوازیں ..... ایک بھیانک سا ہاتھ میری بیٹی کی جانب بڑھتا ہوا..... میں خوف سے چیخ پڑتا ہوں اور دوڑ کر اپنی بیٹی کو گلے سے لگا لیتا ہوں۔ اخبار کی سرخیوں سے بارود کی بُو آرہی ہے۔ ایک ایک لفظ آنے والے طوفان کا پیغام دے رہا ہے۔ دوسری جنگِ عظیم ایٹم بم پر ختم ہوئی تھی۔ اور اب ..... تیسری جنگِ عظیم ایک تلخ حقیقت بن کر سامنے نظر آرہی ہے؟''

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

''لو آج ہم بھی صاحبِ کتاب ہو گئے''

اردو ادب میں غیر افسانوی اصناف میں انشائیہ سرفہرست ہے۔ اس صنف میں کسی موضوع پر لطیف انداز میں اظہار خیال کیا جاتا ہے۔ وہی انشائیہ نگار کامیاب ہوسکتا ہے جو بات سے بات نکالنے کا ہنر جانتا ہو۔ انشائیہ نگار میں بنیادی طور پر دو خوبیاں ہونی لازمی ہیں ایک وہ زبان و بیان پر قدرت رکھتا ہو اور دوسرا موضوع کی باریکیاں سمجھتا ہو۔ جبھی وہ ایک کامیاب انشائیہ نگار کے فرائض انجام دے سکتا ہے۔ اس حوالے سے اردو ادب میں بہت سے ایسے نابغہ ادیب اُٹھے ہیں جنہوں نے اپنی جودتِ طبع اور ذوق سلیم سے اعلیٰ پائے کے انشائیہ لکھے ہیں۔ ان میں خواجہ حسن نظامی، مرزا فرحت اللہ بیگ، رشید احمد صدیقی، پطرس بخاری، کنہیالال کپور، یوسف ناظم، مجتبیٰ حسین وغیرہ قابل ذکر ہیں لیکن جن ادیبوں نے ریاستی سطح پر عمدہ انشائیہ لکھے۔ ان میں شمیم احمد شمیم، محمد زماں آزردہ اور شفیع احمد سرفہرست ہیں۔

شفیع احمد پیشہ سے انجینئر ہیں لیکن اردو ادب کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ جس کا تخلیقی ثمرہ انشائیوں کی شکل میں سامنے آچکا ہے۔ انہوں نے اپنے تخلیقی سفر کا آغاز روزنامہ ''آفتاب'' میں ہلکے پھلکے انشائیے لکھ کر کیا ہے۔ آفتاب کے علاوہ ''وادی کی آواز'' میں بھی مسلسل مزاحیہ خاکے لکھتے رہے ہیں۔ کتاب کی ابتداء میں اپنا تعارف یوں کرواتے ہیں۔

> ''اس کتاب کی ورق گردانی شروع کرتے ہی آپ یہ جان کر اچھنبے سے گزرے ہوں گے کہ سیمنٹ سریا سے واسطہ رکھنے والا شخص قلم ہاتھ میں لے کر ادیبوں کی صف

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

میں کھڑا ہونا چاہتا ہے۔اور اس بات پر حیرانگی کا اظہار کریں گے کہ کنکریٹ کی دنیا سے نکل کر یہ شخص ادب، مزاحیہ ادب ہی سہی، کے ساتھ کیا انصاف کر سکتا ہے۔''

زیر تبصرہ کتاب ''لو آج ہم بھی صاحبِ کتاب ہو گئے'' ۱۹ انشائیوں پر مشتمل ہے۔منصف نے انکشاف ذات کے حوالے سے سماج کی عکاسی کی ہے۔معاشرے میں پھیلی بدعنوانی ،انتشار ،کرب اور بے چینی کو محسوس کر کے اپنے ذاتی تجربات و مشاہدات کو آسان اور قابل فہم زبان میں قلم بند کیا ہے۔کتاب کی ورق گردانی کرتے ہوئے کہیں بوریت کا احساس نہیں ہوتا بلکہ مسرت اور حیرت کی امتزاجی کیفیت سے گزر ہوتا ہے۔جس سے قاری داخلی خوشی محسوس کرتا ہے۔ پروفیسر قدوس جاوید کتاب کے دیباچے میں یوں رقم طراز ہیں۔

''شفیع احمد کے انشائیوں کی ایک نمایاں خوبی یہ ہے کہ وہ عموماً ذات کے حوالے سے سامنے کی زندگی اور زمانہ کی کج رفتاری کو دیکھنے اور دکھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ان کے انشائیوں میں سوچ ،فکر اور بہاؤ، شگفتگی، بذلہ سنجی، طنز ملیح، مسرت خیزی اور بصیرت آموزی کے ساتھ اس طرح جاری رہتا ہے کہ قاری خود بھی لاشعوری طور پر اس بہاؤ کے ساتھ بہتا چلا جاتا ہے''

کتاب کے مرکزی انشائیہ ''لو آج ہم بھی صاحبِ کتاب ہو گئے'' میں ایک ادیب کی ذہنی کشمکش کو بیان کیا گیا ہے کہ کس طرح وہ جان جوکھم میں ڈال کر کتاب تو چھاپ دیتا ہے لیکن اس کے بعد کیا حالت ہوتی ہے وہ منصف کی زبانی سنیے ''کتاب شائع کروانے کے بعد اب یہ حالت ہو گئی ہے کہ ہم جب گھر پہنچتے ہیں تو اپنی شائع شدہ کتاب کے بنڈل ہمیں برآمدے، کچن کی الماریوں، ڈرائنگ روم کی ''شوالماری'' حتیٰ کی بیڈ روم میں بستر کے دائیں بائیں پڑے ہوئے ہمارا منہ چڑا رہے ہوتے ہیں اور میں اپنے آپ کو یہ کہہ کر بہلانے کی کوشش کرتا رہتا ہوں کہ لو آج ہم بھی صاحبِ کتاب ہو گئے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

زیر تبصرہ کتاب میں زبان و بیان اور موضوع کے تنوع کے لحاظ سے کامیاب اور عمدہ انشائیہ ملتے ہیں جن میں طنز و مزاح، شگفتگی، دلکشی، بذلہ سنجی اور فکر و دانش کے عناصر بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں جو قاری کو انشائیہ ختم ہونے کے بعد غیر محسوس طریقے پر کچھ سوچنے پر مجبور کرتے ہیں۔ جن میں ''اور میں سیاسی لیڈر بن گیا''، میں نے الیکشن لڑا''، ''ہم جو استاد ٹھہرے''، ہم کبھی سر پہ بال رکھتے تھے''، ڈاکٹر صاحب! ادھر''، ہفتہ ہفتہ''، ''ہم جو مدیر اعلیٰ بنے'' وغیرہ انشائیے قابل مطالعہ ہیں۔

کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ تاثر ضرور ملتا ہے کہ غیر افسانوی اصناف میں انشائیہ دیگر اصناف سے کتنی پیچیدہ اور مشکل صنف ہے کہ معمولی فرق سے انشائیہ، مزاحیہ مضمون بن سکتا ہے۔ اس حوالے سے کتاب میں صنفی اعتبار سے اچھے اور عمدہ انشائیے شامل ہیں۔

❁❁❁

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ریاست جموں وکشمیر کے ادیبوں کی کاوشیں

(۲۰۰۷ء کے حوالے سے)

کسی بھی زبان کو فروغ دینے کے لئے ضروری ہے کہ اس کا تحریری سرمایہ عوامی سطح پر مقبول ہو۔ جبھی زبان کی ترقی وترویج کے روشن امکانات ہیں۔ اس سلسلے میں ایک قلم کار ہی صحیح معنوں میں تالیفی وتصنیفی کارنامہ انجام دیکر ایک اہم فریضہ ادا کرتا ہے۔ تاکہ اپنے خیالات، جذبات اور تجربات کو نئی نسل تک منتقل کر سکے۔ اس حوالے سے جب ہم ریاستی ادیبوں کی کاوشوں پر ایک نظر دوڑاتے ہیں تو حوصلہ بخش نتائج سامنے آتے ہیں۔ یہاں پر مختصراً ان کتابوں کا تذکرہ کرنے کوشش کی جائے گی جو سال ۲۰۰۷ء میں منظر عام پر آئیں۔ اور ساتھ ہی دیگر ادبی سرگرمیوں کا بھی ذکر کیا جائے گا۔ تاکہ اردو زبان وادب کے فروغ کے حوالے سے ایک مختصر خاکہ ابھر سکے۔

تحقیق کے حوالے سے یہ سال بہت ہی زرخیز رہا۔ پروفیسر غلام محمد شادؔ کی ضخیم کتاب ''حضرت میر سید علی ہمدانی اور کشمیر'' منظر عام پر آئی۔ جس میں کشمیری تہذیب وتمدن کے حوالے سے شادؔ صاحب نے مختلف مضامین لکھے ہیں۔ جن کو انہوں نے پاکستان کی بین الاقوامی شاہ ہمدان کانفرنس کے لئے سپرد قلم کیا ہے۔ ان مضامین میں کشمیری ادب پر

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

اسلامی ثقافتی انقلاب کے داخلی اثرات ،حضرت شیخ اور اسلامی ثقافتی انقلاب ،کشمیری صوفی شاعری اور حضرت سید علی ہمدانی ،حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی کا مذہب ومسلک جیسے موضوعات کتاب کی زینت بڑھاتے ہیں۔ڈاکٹر جی۔ایم شاداب کی کتاب ''کشمیر کے ریشی صوفیاء''اسی نوعیت کی ایک اور کتاب ہے۔اس میں کشمیر کے ریشی صوفیاء کی خدمات ،برصغیر ہندو پاک میں صوفیاء کے سلسلے ،صوفیاء کی آمدِ کشمیر،سلاطین دور میں صوفیاء،حضرت نورالدین ریشی کے طالبین،وغیرہ مضامین قابل ذکر ہیں۔

ڈاکٹر فرید پربتی کی کتاب ''مقدمہ صنفِ رباعی'' رباعی کے فن پر ایک مدلل اور مفصل کتاب ہے۔پوری کتاب ایک ہی موضوع پر ہے جو موصوف کی علمی صلاحیتوں کا کھلا اعتراف ہے۔رباعی کی صنف پر بنیادی ماخذات کی روشنی میں بحث ومباحثہ کیا گیا ہے،کتاب کی بڑی خوبی یہ ہے کہ کسی نظریے سے اختلاف کئے بغیر بنیادی باتوں کی گرہیں کھولنے کی کوشش کی گئی ہے۔ڈاکٹر ثناء اللہ آہنگر کی کتاب ''زعفران اور پانپور'' بیک وقت تین زبانوں کشمیری ،اردو اور انگریزی میں شائع ہونے والی ایک منفرد کتاب ہے۔اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں زعفران کے ساتھ ساتھ کشمیر کی سیاسی وسماجی تاریخ بھی حوالوں کے ساتھ درج ہے۔کتاب میں کلیدی طور پر جن موضوعات پر زیادہ زور دیا گیا ہے وہ مختصراً اس طرح ہیں۔زعفران کس زبان کا لفظ ہے؟ اس کی کاشت کے محرکات کیا ہیں؟اس کی کتنی قسمیں ہیں؟کشمیر میں اس کی تاریخی حیثیت کیا ہے؟زعفران پانپور کے علاوہ کس کس جگہ کاشت کیا جاتا ہے؟زعفران سے کیا کیا عقیدے وابستہ ہیں؟کس کس شاعر کے یہاں زعفران کا ذکر ملتا ہے؟اس صنعت کے روبہ زوال ہونے میں کیا کیا اسباب ہیں۔موصوف نے زعفران کی ترقی وترویج میں مختلف ادوار کا جائزہ پیش کرتے ہوئے مغل دور،افغان دور،پٹھان دور،سکھ اور ڈوگرہ دور کی بھی عکاسی کی ہے۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

عرفان ترابی کی دو کتابیں ''راس المال'' اور ''نوائے سروش'' دویم ایڈیشن تحقیق وتدوین کے اعتبار سے رثائی ادب میں گراں مایہ اضافہ ہے۔ راس المال میں سکھ شعراء کا وہ کلام مدون کیا گیا ہے جو انہوں نے حضرت محمد ﷺ وآلِ محمد ﷺ کی مدح میں کہا ہے۔ جو قطعات، رباعیات، اور سلاموں کی شکل میں ہے۔ کتاب کو شعراء کے نمونۂ کلام تک ہی محدود نہیں رکھا گیا ہے بلکہ ہر شاعر کا تجزیہ غیر جانبدارنہ کرتے ہوئے فارسی اور اردو کے دیگر کہنہ مشق شعراء کے کلام سے بھی مثالیں دی گئیں ہیں۔ ''نوائے سروش'' ہندو شعراء کے حمد، نعت، منقبت اور مراثی پر مشتمل ہے۔ اس میں تیرہ حمدیہ تخلیقات، پچاس نعتِ شریف، اٹھارہ منقبت، اور ایک سو سولہ مراثی کے علاوہ تین عیسائی شعراء کی تخلیقات بھی شامل ہیں۔ کتاب میں ۱۰۹ شعراء کو شامل کیا گیا ہے جن میں اردو کے نامور شعراء کے علاوہ گمنام شعراء کی ایک طویل فہرست بھی شامل ہے جن کی بازیافت کر کے موصوف نے ایک اہم فریضہ ادا کیا ہے۔ خصوصاً اس وقت جب اردو کو صرف مسلمانوں سے جوڑنے کی مذموم کوشش کی جارہی ہو۔ وہیں عرفان ترابی نے غیر مسلم شعراء کا کلام تدوین کر کے اس بات کا واضح ثبوت فراہم کیا ہے کہ اردو صرف مسلمانوں کی زبان نہیں بلکہ ہر اس شخص کی زبان ہے جو اردو سمجھتا اور بولتا ہے۔

تنقید کے حوالے سے بہت کم لکھا گیا، اگرچہ رسائل میں کچھ مضامیں ضرور پڑھنے کو ملے، لیکن کتابی صورت میں سوائے دو کتابوں کے کوئی کتاب منظر عام پر نہیں آئی۔ ''اکتشاف واستدلال'' اکتشافی تنقید کے بانی پروفیسر حامدی کاشمیری کے بصیرت افروز مقالوں کا مجموعہ ہے۔ کتاب کو مصرہ مریم صاحبہ نے بڑے سلیقہ سے ترتیب دیا ہے۔ کتاب میں شامل مضامین حامدی کاشمیری کے عمیق مطالعہ اور گہرے مشاہدے کا نتیجۂ عمل ہے۔ کتاب میں اردو کے مقتدر شعراء وادباء کی تخلیقات کا جائزہ اکتشافی نظریہ سے لیا گیا ہے۔ جن میں گوپی چند نارنگ کا نظریۂ عمل، وزیر آغا کی دنیائے غزل، مجید امجد کی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

نظموں کا شعری عمل، شوکت حیات کی افسانویت، سریندر پرکاش کا فن، پردیسی کا تخلیقی شعور، قیصر قلندر کا رنگِ غزل وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ موصوفہ نے حامدی کاشمیری کے ان مضامین کا انتخاب کر کے ایک مستحسن اقدام کیا ہے۔ ڈاکٹر ریاض احمد کی تصنیف ''ترقی پسند تحریک اور اردو ناول''، تحقیقی اور تنقیدی نوعیت کی کتاب ہے۔ موصوف نے ترقی پسند تحریک کے حوالے سے سجاد ظہیر، عزیز احمد، کرشن چندر، عصمت چغتائی، رما نند ساگر، ہنس راج رہبر، خدیجہ مستور، وغیرہ کی ناولوں کا بھرپور تجزیہ پیش کیا ہے۔

اقبالیات ہمیشہ کشمیری محققین کا محبوب ترین موضوع رہا ہے۔ ڈاکٹر بدرالدین بٹ کی کتاب ''اقبال اور عالم عربی'' ایک منفرد کوشش ہے۔ موصوف نے اقبال کے حوالے سے عربی زبان میں ہوئے تحقیقی کام کا طائرانہ جائزہ لیتے ہوئے عربی عالموں کی خدمات کو سراہا ہے۔ کتاب میں سیرتِ نبوی ﷺ کے حوالے سے دو پر مغز مقالے بھی شامل ہیں۔ ساتھ ہی شاہِ ہمدان اور کشمیر پر بھی خاصی بحث ملتی ہے۔ پروفیسر بشیر احمد نحوی کی مرتب کردہ کتاب ''اقبال ..... بحرِ خیال'' دلچسپ موضوعات پر مبنی کتاب ہے۔ موصوف نے بڑی عرق ریزی اور جگر فشانی سے مضامین کا انتخاب کیا ہے۔ جن میں پروفیسر آل احمد سرور، محمد دین تاثیر، پروفیسر منور محمد، ڈاکٹر صابر کلوروی، پروفیسر عبدالمغنی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ پروفیسر جاوید قدوس کی کتاب ''اقبال کی تخلیقیت'' جمالیاتی ذوق و شوق کا ایک نادر مطالعہ ہے۔ موصوف نے اقبال کی شاعری کا تجزیہ جمالیاتی نقطہ نظر سے کیا ہے۔ ڈاکٹر نذیر احمد کی کتاب ''اقبال شناسی ..... اردو تنقید کے آئینے میں'' ایک تحقیقی مقالہ ہے۔ کتاب میں کلام اقبال کا جائزہ اردو تنقید کے حوالے سے لیا گیا ہے۔ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ کتاب مطالعہ اقبالیات کا نچوڑ ہے۔ روز نامہ کشمیر عظمیٰ نے بھی اقبال کے جشن ولادت پر ایک خصوصی ضمیمہ شائع کیا۔

افسانوں کے چار مجموعے شائع ہوئے۔ شبنم قیوم کا افسانوی مجموعہ ''نشانات''

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

سترہ کہانیوں پر مشتمل ہے۔ کہانیوں میں زندگی کا ہر رنگ ملتا ہے قیوم صاحب نے صحافتی اسلوب اپنا کر عصری زندگی کے تقاضوں کو خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔ دیپک بدکی کا افسانوی مجموعہ ''زیبرا کراسنگ پر کھڑا آدمی'' میں ۲۳ افسانے ہیں۔ افسانہ نگار نے سماج میں ہو رہی ناانصافی اور استحصالی عناصر کو پیش نظر رکھ کر کئی کہانیوں کے پلاٹ بنے ہیں۔ ''غافل'' مشتاق احمد کینی کا پہلا افسانوی مجموعہ ہے۔ مجموعے میں کہانیوں کے تانے بانے حقیقی زندگی سے مستعار لیے گئے ہیں۔ زبان و بیان عام فہم اور سلیس ہے کہیں کہیں افسانہ نگار نے ناصحانہ انداز اختیار کیا ہے۔ میر ایوب میر کا افسانوی مجموعہ ''اور پھر ایک دن'' بیس کہانیوں پر مشتمل ہے۔ کہانیوں میں ایسے کردار پیش کئے گئے ہیں جن میں ظلم و ستم سہنے کی طاقت ہے اور وہ سماجی استحصال کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہیں۔

غیر افسانوی ادب کے حوالے سے کئی کتابیں شائع ہوئیں۔ نور شاہ کی ادبی ڈائری یادرفتگاں پر مشتمل ہے، انہوں نے ریاست میں ہونے والی ادبی اور ثقافتی چہل پہل کو بہت قریب سے دیکھا ہی نہیں ہے بلکہ ایک جز ولاینفک حصہ ادا کیا ہے۔ ان کا ادبی سفر پچاس سال پر محیط ہے جو اپنے آپ میں ایک کارنامہ ہے۔ ڈائری میں قلمی خاکے، ہمعصر ادباء سے تعلقات، رسائل کی ورق گردانی اور ناسٹیلجیا کے لاشعوری نہاں خانوں کی عکاسی ہوتی ہے۔ ڈاکٹر منصور احمد منصور کی کتاب ''کشمیر: خواب، سراب، گرداب'' انشائیوں کا مجموعہ ہے۔ موصوف ایک طویل عرصہ تک روز نامہ آفتاب میں ''کشمیریوں کا عجائب خانہ'' کے تحت سلسلہ وار مضامین لکھتے رہے ہیں۔ جن میں کشمیری معاشرت، ثقافت، ادب اور دیگر مسائل کا جائزہ شگفتہ انداز میں لیا ہے۔ کتاب میں کچھ قلمی خاکے بھی ہیں۔ پروفیسر قدوس جاوید نے ان کی تحریروں کو ''شگفتانے'' کے عنوان سے موسوم کیا ہے۔ اگر چہ اکثر مضامین سیدھے سادے طور پر ''انشائیہ'' کے زمرے میں رکھے جاسکتے ہیں۔ ''بلکتے قہقہے'' نذیر جہانگیر کی ذہنی ترنگ کی اختراع

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ہے۔موصوف کشمیر عظمیٰ میں ''اپنا خیال رکھئے'' عنوان سے مزاحیہ انداز میں کالم لکھتے ہیں۔کتاب ان ہی کالموں پر مشتمل ہے۔

کئی شعری مجموعہ بھی شائع ہوئے۔ڈاکٹر فرید پربتی کے دو شعری مجموعے ''خبر تحیر'' اور ''ہزار امکاں''، ڈاکٹر شفق سوپوری ''دشت سے دور کہیں''، ایوب صابر ''رباعیات''، پیارے ہتاش ''گردش ایام''، شیخ خالد کرار ''سوا نیزے پر سورج''، ڈاکٹر امیر جعفری ''آہنی آواز''، سجاد پونچھی ''فصیلیں بولتی ہیں''، شیخ گلزار احمد ''سایہ دھوپ کا'' منظر عام پر آئیں۔ان شعری مجموعوں میں ایسے اشعار کثرت سے ملتے ہیں جن میں جذبات واحساسات کی بھرپور ترجمانی ملتی ہے۔واردات قلبی کے ساتھ ساتھ آج کل کے پُرآشوب حالات کی بھی عکاسی ملتی ہے۔کچھ شعر مشتے از خروارے ملاحظہ فرمائیں:-

؎ اب اُسی شہر میں میں کرتا ہوں طلب جائے اماں
لوگ جس شہر سے جان اپنی بچا کر نکلے (فرید پربتی)

؎ اب تو آثار بھی اُس حادثے کے باقی نہیں
اک زمانہ ہوا بربادیٔ املاک ہوئے (شفق سوپوری)

؎ دل روتا ہے آنکھ بھی نم ہے
کسے بتاؤں کیا کیا غم ہے (پیارے ہتاش)

؎ میزائل، جنگ، سرحد، خوف توپیں
لہو، لاشیں، زمیں، شمشان، پتھر (شیخ خالد کرار)

؎ حادثے ہوتے ہوئے دیکھے ہیں برسوں سے مگر
آج ہم نے بھی اُڑائے ہیں غبارے ایک ساتھ (شیخ گلزار احمد)

فن اور شخصیت کے حوالے سے بھی کچھ کتابیں منظر عام پر آئیں۔پروفیسر بشیر احمد نحوی نے ''میراثِ پدر خواہی علم پدر آموز'' کے مصداق اپنے والد مرحوم غلام حسن نحوی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

کی تخلیقات کو ایک خوبصورت گلدستے میں بعنوان ''ارمغان نحوی'' ترتیب دیا۔ مرحوم نحوی کشمیر کے ان مایہ ناز شعراء میں شمار ہوتے ہیں جو بیک وقت کئی زبانوں میں طبع آزمائی کرتے تھے۔ ''ارمغان نحوی'' میں مرحوم غلام حسن نحوی کا نعتیہ کلام، مثنوی خطاب بہ کشمیر (فارسی) اور چند متفرق تاثراتی و منظری نظموں کے علاوہ سرکردہ ادیبوں، دانشوروں اور دینی رہنماؤں کے مقالات و تاثرات ہیں۔ جاوید ماٹجی کی ''موج بس موج'' روایت سے ہٹ کر ایک مستحسن کوشش ہے۔ مرتب نے ان شعراء کے کلام کا انتخاب کیا ہے جنہوں نے ''ماں'' کی عظیم شخصیت کو مدنظر رکھ کر خراج عقیدت پیش کیا۔

آج کے گلوبل ولیج نظریہ کو اردو میں متعارف کرانے کے لئے ڈاکٹر رابعہ نسیم کی کتاب ''کمپیوٹر شناسی'' ایک سنجیدہ کاوش ہے۔ انہوں نے کیمپوٹر کی مبادیات کو آسان اور سہل انداز میں پرویا ہے۔ کتاب میں کیمپوٹر کے حوالے ہر ضروری پروگرام کی معلومات فراہم کی گئی ہے۔

اردو زبان کو وسعت دینے کے لئے ضروری ہے کہ اردو زبان میں بنیادی سطح پر کچھ کام کیا جائے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر شفیق احمد نے ''منہاج المبتدین'' ترتیب دی ہے۔ کتاب صباحی اور مسائی درسگاہوں کے لئے مرتب کی گئی ہے۔ اس میں عربی اور اردو کے ذخیرہ الفاظ کو بھی شامل رکھا گیا ہے۔ ''اردو قواعد..... تین جلدیں' منشی امتیاز، ماسٹر محمد حیات، ریاض رہگیر کی مرتب کی ہوئی کتاب نو واردن زبان کے لئے اہمیت کی حامل ہے۔ کتاب کی افادیت کو دوبالا کرنے کے لئے اشعار کا بھی برمحل استعمال کیا گیا ہے۔

ترجمہ کے حوالے سے بہت کم کام ہوا ہے۔ پروفیسر محمد عبداللہ شیدا نے مشہور و معروف اسلامی سکالر علی محمد نقوی کی کتاب ''اسلام اور قوم پرستی'' کا ترجمہ نہایت بلیغ انداز میں کیا ہے۔ کتاب میں نیشنل ازم کی تعریف و توضیح، دنیائے اسلام میں نیشنل ازم کا داخلہ، نیشنل ازم کی خامیاں اور خطرات، اسلام اور نیشنل ازم وغیرہ موضوعات ہیں۔

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

رسائل کے حوالے سے ''شیرازہ کا حامدی کاشمیری نمبر'' خصوصیت کا حامل ہے۔اس نمبر میں حامدی کاشمیری کے ہمہ جہت پہلوں کو سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہے۔مقالہ نگاروں نے حامدی صاحب کے فکر وفن پر تنقیدی نقطہ نگاہ سے خامہ فرسائی کی ہے۔حکیم جی۔این ڈار کی سرپرستی میں ''سہ ماہی بزم ادب'' کا اجراء عمل میں آیا۔اس رسالے کے ابھی دو شمارے ہی منظر عام پر آئے ہیں۔اکبر حیدری صاحب نے ''حکیم الامت'' کے متواتر بارہ شمارے شائع کئے، جو اپنے آپ میں ایک کارنامہ ہے۔ورنہ اکثر و بیشتر رسائل چند شماروں کے بعد ہی دم توڑ بیٹھتے ہیں۔اردو ادیبوں کو اعزازات وانعامات سے بھی نوازا گیا۔سہ ماہی ''ہرمکھ'' کے سالانہ تقریب میں امسال اردو کے لئے کشمیر کے مایہ ناز افسانہ نگار نور شاہ کو ایوارڈ سے نوازا۔کلچرل اکادمی نے ۲۰۰۶ کی بہترین اردو کتاب کا ایوارڈ اردو کے ماہر لسانیات پروفیسر نذیر احمد ملک کو ''اردو رسم الخط'' پر ۲۰۰۷ء میں نوازا۔کشمیر یونیورسٹی کے شعبہ اُردو اور کلچرل اکادمی نے گولڈن جبلی بھی منائی۔

غرض سال ۲۰۰۷ء کتابوں کے حوالے بہت حوصلہ افزا رہا ہے۔ہوسکتا ہے کہ کچھ کتابیں اور بھی شائع ہوئیں ہوں جن تک ہماری رسائی نہیں ہوسکی۔پھر بھی اس ساری صورت حال کو دیکھ کر علامہ اقبال کی یہ پیشن گوئی برمحل لگتی ہے کہ

ع ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

ناشر کی دیگر اشاعتیں

- شانِ نورِ محمدی صلعم : سید محمد مقبول قاسمی
- اُردو نظم کی دریافت اوّل۔دوم : پروفیسر حامدی کاشمیری
- گراو، تہ جواب گراد : مترجم جاوید ماٹجی
- نالۂ نیم شب : ڈاکٹر ایم۔اے۔گنائی
- عصری تحریریں (تبصرے وتنقیدی مضامین جلد اوّل) : دیپک بدکی
- عصری تحریریں (تبصرے وتنقیدی مضامین جلد دوم) : دیپک بدکی
- ناول کا فن، ارتقاء، لندن کی ایک رات : ڈاکٹر زور کاشمیری
- موج بس موج : جاوید ماٹجی
- کشمیر میں تصوّف ریشیت کے تناظر میں : ڈاکٹر محمد سید قادری
- وتستا کی سیر : ڈاکٹر عزیز حاجنی
- تعلیقات اقبال : ڈاکٹر مشعل سلطانپوری
- بند کمرے کی کھڑکی : نور شاہ
- قہر نیلے آسمان کا : سیدہ نکہت فاروق
- ارمغان وادی : داکٹر میر حسام الدین
- کہاں گئے یہ لوگ : نور شاہ
- شبستانِ وجود (ایک صحافی کی سرگزشت) : مقبول ساحل
- Social Transformation in Central Asia : Ali Mohmmad Rather
- Complaint & Answer : Javid Matjee (Compiller)
- Understanding the Kashmir Mind : S.T.Hussain

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

KITAB DAREECHA

" A Collection Of Literary Columns"

مصنف ایک نظر میں

نام : محمد سلیم خان

قلمی نام : محمد سلیم سالکؔ

ولدیت : غلام نبی خان

پیدائش : چھتہ بل، سرینگر کشمیر

تعلیم : ایم۔اے (اُردو)

ایم فل (اُردو کے ضرب الامثال [illegible] مطالعہ)

نیٹ (NET)

شغل : تحقیق وتنقید، ادبی صحافت

کتابیں : (۱) فریدپربتی: شعر، شعور اور شعریات (مرتب) ۲۰۰۶ء

(۲) کتاب دریچہ (ادبی کالموں کا انتخاب) ۲۰۰۹ء

زیرِ طبع : (۱) جموں کشمیر میں اُردو افسانہ: ایک جامع انتخاب

(پریم ناتھ پردیسی سے ترنم ریاض تک)

(۲) شعروں کے انتخاب نے!

سکونت (حال) : فرینڈس کالونی۔1، ایچ ایم ٹی روڈ شالٹینگ سرینگر

ای میل: SalimSalik@gmail.com

فون نمبر: 9906518020

Meezan Publishers

Opp. Fire & Emergency Services H.Q, Batamaloo, Srinagar Kashmir, 190009

Telephone: 0194-2470851, 9419002212 Fax:0194-2457215

Email:meezanpublishers@rediffmail.com

CC-0. Kashmir Treasures Collection Srinagar. Digitized by eGangotri

Design By: Adeeb